رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

جلد ۱۱ شمارہ ۶

نگار

لکھنؤ سے ہر ماہ کی پندرہ کو شائع ہوتا ہے چندہ سالانہ ہندوستان میں پانچ روپیہ ۔ ہندوستان سے باہر سات روپیہ

فہرست مضامین جون سنہ ۱۹۲۷ء

ملاحظات ۲

غالب کا ذوق فارسی .... غلام ربانی عزیز ۵

گوہر محبت (فسانہ) .... مجنون گورکھپوری ۱۴

اکبر آئین اکبری میں ...... عبدالسبحان ناظر ۱۹

علم فراست الید ۲۷

این بین فریودی .... آرگس ۳۴

دین مسیحی یا آفتاب پرستی ..... مولوی خلیل الرحمٰن ۴۹

رادھا (فسانہ) ۵۴

غالب ۔ مومن ذوق .... حامد حسن قادری ۶۳

شکست کی آواز (فسانہ) امتیاز احمد اشرفی ۔ بی اے ۶۹

طنزیات اور اردو زبان .... عبدالباری آسی ۷۴

پردہ کا اثر تعلیم و صحت پر ..... ن ۔ ف ۔ بیگم (رحیم کھاری) ۔ ۸۱

تاریخ محبت کا ایک گمشدہ ورق ۸۳

منظومات و غزلیات :- محمود اسرائیلی ۔ امین حزیں ۸۷

〃 〃 نظیر لودھیانوی ۔ ہاشمی ۔ احمد کریم ــــ

〃 〃 عشرت ۔ کیف مرادآبادی ۔ ضبط درد ۸۸

استفسارات ۸۹

معلومات ۹۵-۹۶

چٹنی بادشاہ پسند مارہرہ : قسم خاص میوہ والی ڈیڑھ روپیہ سیر قسم دوم ایک روپیہ سیر قسم سوم قاشدار ۸ر فی پونڈ خریداران نگار کے لئے نصف پیکنگ معاف

سید بادشاہ حسین مالک کارخانہ بادشاہ پسند چٹنی مارہرہ ۔ شاخ امین آباد لکھنؤ

بسم اللہ

نگار

اڈیٹر نیاز فتحپوری

جلد ۱۱ | جون سنہ ۱۹۲۷ء | شمارہ ۶

ملاحظات

گزشتہ ماہ کے رسالہ میں، جناب آرگس کے مضمون نے، جس میں ابن یمین اور حافظ شیرازی کی شاعری کے متعلق گفتگو کی گئی ہے، بعض حلقوں میں برہمی پیدا کر دی ہے ۔ ایسا اختلاف جس کی بنیاد صرف تحقیق حق پر ہو، یقیناً نہایت مفید چیز ہے، لیکن کم ہیں جن کا اختلاف، تنقید صحیح ہوتا ہے اور زیادہ ہیں وہ جو صرف اپنے معتقدات کے نقطۂ نظر سے ہر چیز کو دیکھنا پسند کرتے ہیں، چنانچہ اس مسئلہ میں بھی اکثر حضرات کی "چین بپیشانی" کا باعث محض وہ جذبۂ صنم پرستی ہے جو حافظ نہیں، بلکہ حافظ کے "بُت" سے قایم ہے ---- اور "بت" بھی کونسا؟ دنیائے تصوف کا، عالم "ہمہ اوست" کا اور اس کارگاہِ ظن و تاویل کا، جہاں مے و بادہ، کے معنے آب کوثر و سلسبیل، اور "ساقی" کے معنی مرشد کامل کے لیے جاتے ہیں ۔ حالانکہ غریب بے خبر ہیں اس حقیقت سے کہ اگر حافظ کی رندانہ زبان، بادہ پرستارانہ غزلخوانی، اس کی رامشگرانہ شاعری اور مذہب سے یکسر بے نیاز ذوقِ سخن کو اس کے حقیقی اور صحیح رنگ میں دیکھا جائے تو وہ "بت" سے زیادہ ایک غیر فانی "خدا" ہے عالم کیف و سرور اور دنیائے نغمہ و رباب کا ---- کہ بت کو تو ادنی سی ضرب تیشہ کی توڑ سکتی ہے لیکن خدا کی خدائی چھیننے کا خیال بھی کسی کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتا ۔

میں خود آرگس کے دلایل کو اُن کے دعوے کے ثبوت کے لئے ناکافی سمجھتا ہوں، جیسا کہ میں نے اس مہینے کے باب استفسارات میں

بڑھیا عطر اصغر علی محمد علی تاجر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر خرید کیجئے

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ظاہر کیا ہے، لیکن اس کے یہ معنے تو نہیں ہوسکتے کہ کوئی صرف فلسفۂ دشنام کو پیش نظر رکھ کر جواب دینے کی کوشش کرے، دراں حالیکہ اس تلخی کے ساتھ "لعل شکرخا" کا ادنیٰ سا تصور بھی شامل نہ کرسکوں!

اس وقت تک صرف ایک مضمون جناب میر ولی اللہ صاحب بی اے وکیل ایبٹ آباد کا ایسا موصول ہوا ہے جسمیں متانت وسنجیدگی سے کام لیا گیا ہے اور جو آئندہ مہینے کے نگار میں شائع ہوگا۔

اس مہینے میں ایک مضمون "پردہ اور صحت وتعلیم" کے موضوع پر ریاست چرکھاری کی ایک خاتون (ف-ن بیگم) کا لکھا ہوا ہے یہ مضمون اپنے انداز بیان یا ندرت موضوع کے لحاظ سے کوئی ایسی خصوصیت اپنے اندر نہیں رکھتا کہ اسے نگار میں جگہ دیجاتی۔ لیکن چونکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ مقالہ حقیقتاً ایک خاتون ہی کے دماغ کا نتیجہ ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی جانتا ہوں کہ جو کچھ لکھا ہے حد درجہ خلوص کے ساتھ لکھا ہے، اس لئے اُسے بغیر کسی حذف واضافہ یا ترمیم واصلاح کے درج کرتا ہوں تاکہ ملک سوچے کہ ہندوستان کے تاریک ترین گوشوں میں بھی عورت کے جذبات اس باب میں کس حد تک وسیع ہوگئے ہیں اور کیا اب مرد کے لئے کوئی اور چارۂ کار سوائے اس کے رہگیا ہے کہ وہ عزت وآبرو کے ساتھ سپر ڈالدے؟

ایک اور خاتون نے جب اس مضمون کا مسودہ دیکھا تو انھوں نے بھی ایک کافی طویل تقریر صرف فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس مضمون کے دلائل کا پہلو صرف مدافعانہ ہے، حالانکہ ضرورت جارحانہ دلیل کی بھی تھی:- انتقام ایک فطری حق ہے جسمیں مرد وعورت برابر کے شریک ہیں پھر اگر مرد اپنی آزادی کی وجہ سے عورت کو تکلیف پہونچا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس سے انتقام لینے کے لئے وہی حربہ نہ اختیار کیا جائے جسے وہ استعمال کرتا ہے۔ اس کے بعد گو وہ خاموش ہوگئیں، لیکن چونکہ ان کا یہ سکوت خدا جانے کتنے ؟؟؟ کس قدر!!! اور کتنے فافہم اور فتدبر سے معمور تھا، اس لئے میں بھی ایک کتاب لیکر خاموشی سے اس کے مطالعہ میں مصروف ہوگیا کہ گھر کی زندگی کے اکثر خطرے میں اسی طرح ٹالنے کا عادی ہوں۔

میرے ایک عزیز دوست سید حامد حسین رضوی (علیگ) نے جو اس وقت بہ سلسلۂ ملازمت یوت محل میں مقیم ہیں، ایک اسلامی لغت طیار کیا ہے جسمیں تمام ان الفاظ کو اصطلاحات کی محققانہ تشریح ہے جو اسلامی لٹریچر میں علمی، تاریخی، فقہی، جغرافی، مذہبی، تصوفی حیثیت سے مستعمل ہوتے ہیں۔ یہ لغت نگار مشین پریس میں چھپ رہا ہے اور کئی جلدوں میں ختم ہوگا۔ سید صاحب موصوف نے اپنی سعی سے ایک ایسی مفید وکارآمد کتاب کا اضافہ اردو لٹریچر میں کیا ہے کہ میرے نزدیک اس کی قدر کرنا فریضۂ شرعی کے حد تک پہونچ جاتا ہے۔ میں اکاڈمی کے آئندہ اجلاس میں بھی اسے پیش کرونگا تاکہ حکومت مولف موصوف کی ہمت افزائی کرے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے حنا کی قدر اہل ملک اچھی طرح کرچکے ہیں۔

جناب مجنوں گورکھپوری نے اپنا افسانہ "گوہر محبت" دسمبر ۱۹۳۵ء میں رسالہ زمانہ کو شایع کرنے کے لئے دیا تھا، لیکن جب وسط مئی تک وہاں شایع نہ ہوا تو نگار کو دیدیا۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ جب جون کے نگار میں اس کی کتابت ہوگئی تو اپریل کا زمانہ (مئی کے اخیر میں) اس افسانہ کو لئے ہوئے شایع ہوا۔

یہ افسانہ چونکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت بلند اور اچھوتا ہے اس لئے ہم اسے منقول حیثیت سے لینے کے لئے طیار ہو جاتے، چہ جائکہ خود مصنف ایک جگہ کی زحمتِ انتظار سے گھبرا کر خود ہمیں اپنے ہات سے مسودہ سپرد کرے۔

غالب کے ذوق فارسی پر مولوی غلام ربانی صاحب عزیز کا جو مضمون شایع ہو رہا ہے وہ جاری رہیگا یہانتک کہ غالب کے تمام اصنافِ سخن پر تبصرہ نہ ہو جائے۔ جناب عزیز کی یہ سعی قابل ستایش و مبارکباد ہے۔

دین مسیحی کا مضمون اس مہینے میں ختم ہوا ہے میں نے غلطی سے پچھلے مہینے کے رسالہ میں اس کے اختتام کا ذکر کر دیا تھا، اسی طرح کی ایک اور غلطی اس نظم کے متعلق ہوگئی ہے جو "ملے کاش" کے عنوان سے مئی کے رسالہ میں شایع ہوئی ہے۔ یہ نظم جناب روشن صدیقی (جوالاپوری) کی ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ مخمور کا نام کس ترنگ میں درج ہوگیا۔

حسب وعدہ "طنزیات" کا سلسلہ اس مہینے سے شروع ہوگیا ہے، امید ہے کہ لوگ دلچسپی سے پڑھیں گے۔ پھبتی کے عنوان سے ایک صاحب اور بھی (جو لکھنؤ کے قدیم رازداران معاشرت و معیشت میں سے ہیں) مضمون لکھ رہے ہیں جو نگار میں شایع ہوگا۔

اس مہینے میں علاوہ اور دلچسپ ادبی مضامین کے چار افسانے ہیں جن میں سے گوہر محبت کا ذکر پہلے کر چکا ہے، رادھا ہندوؤں کی معاشرت سے متعلق ہے، شکست کی آواز میں شخصیت نگاری کے ساتھ ساتھ ہلکی ہلکی تنقید بہت پُر لطف بات ہے۔ اکبر کے متعلق آئین اکبری کی امداد سے جو معلومات ہم پہونچائی ہیں وہ نہایت دلچسپ اور کارآمد چیز ہے۔

ارادہ ہے کہ آئندہ مہینے سے علاوہ نگار کے ایک اور رسالہ شایع کیا جائے، جس کا نام "**فسانہ**" تجویز کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ فی الحال ۳ جزو کا ہوگا اور اس میں سوائے افسانوں اور ڈراموں کے اور کوئی مضمون نہ ہوگا، اگر اسمیں کامیابی ہوگئی تو خیر ورنہ یہ تو یقینی ہے کہ آئندہ سے نگار میں کم از کم ڈھائی تین جزو صرف فسانوں کے لئے وقف ہوں گے۔

نیاز

عمدہ عطر خریدتے وقت اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

غالب کا ذوق فارسی

(بسلسلۂ ماسبق)

مرزا نے مثنوی چراغِ دیر میں اپنی سیاحتِ بنارس کا تذکرہ کیا ہے۔ مثنوی سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کس تقریب پر وہاں تشریف لے گئے۔ غالباً ان کی سیاحت کے لئے بھی وہی امر داعی ہوگا۔ جو سیاحتِ کلکتہ کے لئے تھا اور ممکن ہے وہ تلاشِ معاش میں کشاں کشاں یہاں لائے گئے ہوں۔ اور اسی کو اس سیہ نصیبی کا باعث قرار دیا ہو۔ کہ وہ اپنے عزیز وطن سے یوں علحدہ کر دیے گئے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بنارس اسوقت نہ حیدر آباد تھا نہ لکھنؤ۔ پھر مرزا کا بنارس میں اس غرض سے آنا ایک معما ہے اور پھر مرزا ایسے خوددار انسان کا روزگار کی تلاش میں یوں سرگرداں رہنا اور زیادہ عجیب ہے۔ جو فارسی پروفیسری کے منصب سے اس لئے دست بردار ہو جاتا ہے کہ پرنسپل کیوں اس کے استقبال کے لئے نہیں آیا اس غرض کے لئے بنارس آنا بہت ہی مستبعد معلوم ہوتا ہے بہرحال جہان آباد سے نکل کر وہ اپنی سیہ بختی خیال کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں۔

"آج میرے منہ سے صور کی آواز نکل رہی ہے۔ اور میری خموشی محشر زار ہو رہی ہے۔
میں پتھر ہوں جس سے آگ کے شرارے نکل رہے ہیں مجھے اپنے احباب سے چونکہ بہت سی
شکایتیں ہیں۔ اس لئے آج میرے حبابِ دل سے لاکھوں طوفاں کے شور
پیدا ہو رہے ہیں"

مرزا کی شاعرانہ تخئیل کسی تعارف کا محتاج نہیں جن لوگوں نے ان کا اردو کلام پڑھا ہے وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ شہنشاہ اقلیم سخن کس طرح اپنے تخئیل کے زور پر نازاں ہے جدت اور ابداع مرزا کی عین فطرت ہیں جس مضمون پر انھوں نے قلم اٹھایا ہے وہاں جدت نگارش کی گلکاریوں سے ایک ایسی دلفریب فضا پیدا کر دی ہے جسمیں وہ خود واحد حکمراں ہیں اختراع اور ابداع وہ خصوصیات ہیں جو انسے کسی حالت میں بھی علحدہ نہیں ہو سکتیں انکے مرغِ تخئیل کی پرواز صرف یہیں تک محدود نہیں ہے۔ کہ وہ نئے نئے مضامین اختراع کر سکتے ہیں۔ بلکہ نئے الفاظ نئی تراکیب اور نئی بندشیں وہ خصوصیاتِ نگارش ہیں، جو مرزا کو اپنے تمام معاصرین سے ممتاز کرتی ہیں۔ صنائع لفظی و معنوی کا التزام مرزا کے ہاں بہت زیادہ ہے اور اسی کو وہ معراجِ شاعری قرار دیتے ہیں، استعارے اور تشبیہیں اسی نسبت سے ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ وہ نہایت نادر تشبیہیں اور انوکھے استعارے استعمال کرتے ہیں اور پھر اپنے زورِ بیان اور طرزِ ادا سے اس میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔ ان کی تشبیہیں اکثر نیچرل اور فطری ہوتی ہیں وہ اپنے اسلوبِ بیان سے واقعات کی روشنی میں کام نہیں لیتے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر بہت مشہور ہے

اور نہ اصل واقعہ کو وہ شاعری کا کوئی ضروری جزو خیال کرتے ہیں۔ بلکہ واقعات کو اس طریقہ پر ڈھالتے ہیں جس طرح ان کا اسلوب بیان اجازت دیتا ہے بلکہ بہت سے مختلف واقعات اسلوب بیاں کی خاطر گڑھ کر اس میں ملا لیتے ہیں۔ وہ اکثر اشیاء کے روشن پہلو پر بحث کرتے ہیں۔ اور اپنے زور تخیل سے اسمیں خوب چاشنی ملا دیتے ہیں۔

نفس با صور دمساز است امروز　　خموشی محشر راز است امروز
رگ سنگم شرارے مے نویسم　　کف خاکم غبارے مے نویسم
دل از شور شکایتہا بجوش است　　حباب بے نوا طوفاں خروش است

محشر راز طوفان خروش اور حباب بے نوا کی ترکیب کتنی چست اور دلآویز ہیں۔ اور پھر نفس و صور، خموشی و محشر راز، رگ سنگ و شرار، کف خاک و غبار، اور حباب و طوفان کی لفظی مناسبتیں کتنی دلفریب ہیں۔

نفس ابریشم ساز فغان است　　بسان نے تنم در استخوان است
محیط افگندہ بیروں گوہرم را　　چو گرد افشاندہ آہن جوہرم را

دہلی کو محیط اور آہن قرار دے کر خود کو موتی اور جوہر کہنا مرزا سے ہی بن آسکتا تھا۔

جہان آباد سے انھیں نکلنے کا اتنا رنج نہیں، جتنا انھیں اس کا رنج ہے کہ ان کے احباب ان کو بھول گئے کیونکہ جب تک عالم آباد ہے لاکھوں گھر اور آشیانے بنائے جا سکتے ہیں اور وطن کو بھلایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ بنارس کی تعریف و مدح کی طرف گریز کرتے ہیں جو قابل ستائش ہے مجھے دلی کیوں یاد آئے جب بنارس جیسا خطۂ زمین جو جنت نگاہ اور فردوس گوش ہے میرے سامنے ہو علاوہ اس کے اسکے قدرتی مناظر دلفریب اور دلکش واقع ہوئے ہیں اور یہاں کی ہر پری صورت باقی شہروں کے پری صورتوں اور گل رنگوں سے بہتر واقع ہوئے ہیں۔ یہ شہر روحانیت کا سرچشمہ اور ہندوستان کا کعبہ بھی ہے۔

جہان آباد گر نبود الم نیست　　جہان آباد باد اجائے کم نیست
بناشد قحط بہر آشیانے　　سر شاخ گلے در گلستانے
سپس در لالہ زاری جا تواں کرد　　وطن را داغ استغنا تواں کرد
بخاطر دارم اینک گل زمینے　　بہار آئیں سواد دلنشینے
نگہ را دعوے گلشن ادائی　　ازاں خرم بہار آشنائی
سخن را نازش مینو قماشی　　زگلبانگ ستائشہائے کاشی

یہ قاعدہ ہے۔ کہ جب انسان کسی اچھی چیز سے محروم کر دیا جائے تو جو چیز اسے سردست میسر آسکے وہ اسی میں اپنی دلچسپیاں اور

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر بہت اچھا ہوتا ہے

دلفریبیاں تلاش کرکے اپنے دل بہلانے کا سامان بہم پہنچا لیتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جہان آباد اور بنارس میں بظاہر کوئی نسبت نہیں۔

مرزا کا طرزِ بیان کتنا نیچرل اور بے ساختہ ہے۔ اور خصوصیت سے دوسرا شعر کتنا کیف بار ہے۔

تناسخ مشرباں چوں لب کشایند　　بکیشِ خویش کاشی را ستایند

کہ ہر کس کاندراں گلشن بمیرد　　دگر پیوندِ جسمانی نگیرد

چمن سرمایۂ امید گردد　　بمردن زندۂ جاوید گردد

ہندوؤں کے اس عقیدہ سے مرزا کو گفتگو کرنے کی اسی لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ بنارس کے لئے ایک اور وجہ فضیلت بیان کرسکیں جہاں وہ طوعاً کرہاً اقامت پذیر ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ مرزا بحیثیت مسلمان ہونے کے اس عقیدہ کو کوئی وقعت نہیں دے سکتے۔ انسان کی فطرت حسن پرست واقع ہوئی ہے۔ وہ ہر حسین چیز سے متاثر ہوتا ہے۔ خواہ وہ شجر ہو یا حجر۔ انسان ہو یا حیوان لیکن جب اس حسن کا مظہر انسانی پیکر ہو۔ تو اسوقت تو کوئی بدبخت ہی ہوگا جو ایسے منظر سے متاثر نہ ہو۔ گو جب مرزا بنارس میں پہنچے انکے باغ جوانی میں خزاں آچکی تھی اور ان کے سیاہ بالوں پر بڑھاپے کی برف برس چکی تھی اور مزید براں مرزا اخلاقاً نہایت متین اور سنجیدہ واقع ہوئے تھے۔ لیکن جب پری رویوں کے جھرمٹ انھوں نے گنگا پر اشنان کرنے جاتے دیکھے۔ تو اس منظر سے بہت ہی متاثر ہوئے ان کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ ان کے دماغ میں خیالات کا ایک طوفان امنڈ آیا اور وہ صفحۂ کاغذ پریوں پر برس پڑے

"آؤ! ذرا تم یہاں کے پری زادوں کو تو دیکھو۔ میرا تو خیال ہے۔ یہ مجسم روح ہیں۔ ورنہ آب و گل میں یہ دلآویزیاں کہاں سے آئیں۔ ان کے جسم اسقدر ہلکے پھلکے اور معطر ہیں کہ بوئے گل کو رشک آئے یہاں خس وخاشاک میں وہ دلکشی ہے کہ باغوں اور لالہ زاروں میں نہیں پائی جاتی۔ موسم بہار اسکی دلفریبیوں پر فریفتہ ہوکر موجِ گل سے زنار بدوش ہے۔ اور آسمان اسکی بارگاہ رفیع میں رنگینی شفق سے قشقہ بر جبیں اس زمین کے چپے چپے پر مندر آباد ہیں۔ اور اس کا ذرہ ذرہ لالہ زار ہے۔ یہاں بت پرستوں کا پایۂ تخت اور مذہبی دیوانوں کا کعبہ اور زیارت گاہ ہے۔ یہاں کے گل اندام بے انتہا دلفریب اور دلربا ہیں شعلۂ طور ان کے جلوۂ رخ کے سامنے تبسم شرار سے زیادہ بے حقیقت ہے ان کی ایک ایک ادا صد ہزار گلستاں بار اور ان کا خرام ناز لاکھوں فتنہ ہائے قیامت آستین میں لئے ہوئے ہے وہ گوہر سے زیادہ لطیف اور خون عاشق سے زیادہ تیز اور چست ہیں۔ اور ان کے خوبصورت رنگین رخسار غارت گر ہوش ہیں۔ غرض وہ سراپا نزاکت اور ہمہ تن دلربائی ہیں"

بیا اے غافل از کیفیتِ ناز　　نگاہے بر پری زادانش انداز

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے اعلیٰ درجہ کا عطر مل سکتا

همہ جانہائے بے تن کن تماشا ندارد آب و گل ایں جلوہ حاشا

بہادِ شاں چو بوئے گل گراں نیست ہمہ جان اند جسمے درمیاں نیست

دریں دیرینہ دیر و پرستانِ نیرنگ بہارش ایمن است از گردشِ رنگ

بہ تسلیم ہوائے آں چمن زار ز موجِ گل بہاراں بستہ زنار

فلک را قشقہ اش گر بر جبین نیست پس ایں رنگینیِ موجِ شفق چیست

کفِ ہر خاکش از مستی کنشتے سرِ ہر خارش از سبزی بہشتے

سوادش پائے تختِ بت پرستاں سراپایش زیارتگاہِ مستاں

بتانش را ہیولے شعلۂ طور سراپا نورِ ایزد چشمِ بد دور

تبسم بسکہ در لبہا طبیعی ست دہنہا رشکِ گلہائے ربیعی ست

ادائے یک گلستاں جلوہ سرشار خرامے صد قیامت فتنہ دربار

بہ لطف از موجِ گوہر نرم رو تر بناز از خونِ عاشق گرم رو تر

ز انگیزِ قد انداز خرامے بپائے گلبنے گسترده دامے

ز رنگین جلوہ ہا غارتگرِ ہوش بہار بستر و نوروزِ آغوش

قیامت قامتاں مژگاں درازاں ز مژگاں برصفِ دل نیزہ بازاں

مگر گوئی بنارس شاہدے ہست ز گنگش صبح و شام آئینہ در دست

بیابان در بیاباں لالہ زارش گلستاں در گلستاں نوبہارش

فصلِ بہار کو موجِ گل سے زنار بدوش اور خنگیر فلک کو رنگینیِ شفق سے قشقہ بر جبیں کہنا کتنی پیاری اور نیچرل تشبیہ ہے۔ سرو رویان، بنارس کو شعلۂ طور سے تشبیہ دینا ایک بالکل اچھوتی تشبیہ ہے چونکہ شعلۂ طور نورِ ایزدی بنا۔ اس لئے جب سرو رویانِ بنارس کی تخلیق اسی شعلہ سے ہوئی۔ تو وہ بھی نورِ ایزد و سجانہ ہی ہونگے، اور پھر اس مجسم حسن کا حلیہ بیان کرنے کے بعد چشمِ بددور کہنا کتنا نیچرل طرزِ بیان ہے اور ضرور ہے کہ ایسے مواقع پر یہ کلمہ انسان کی زبان سے نکلے۔ متبسم ہونٹوں کو گلِ ربیعی سے تشبیہ دینا بہت بڑا شاعرانہ کمال ہے۔

جلوۂ محبوب کو گلستاں ریز اور خرامِ یار کو فتنۂ قیامت سے تشبیہ دینا بہت دلکش بیان ہے۔ خرامِ یار کو فتنۂ قیامت تو بہتوں نے لکھا ہے مگر جلوۂ یار کو گلستان تماشا لکھنا مرزا ہی کا حصہ ہے۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی بہت بڑی دوکان ہے

محبوب کے سہی قد اور اس کے طرزِ خرام کو یوں بیان کرنا کہ گویا وہ سراپا گلبن ہے اور اس کی کبک خرامی ایک پھندا ہے۔ جو اس گلبن ناز کے پاؤں میں ڈال دیا گیا ہے۔ ایسی تشبیہ ہے کہ قابل صد ہزار تحسین و آفریں ہے۔

محبوب کے جلوہ کو غارتگر ہوش کہنا ایک عام اندازِ بیان ہے۔ لیکن اسے بہار بستر اور نوروز آغوش کہنا کتنی اچھوتی ترکیب اور دلفریب اسلوب بیان ہے۔

بنارس کو شاہد کہہ کر اس کے آئینہ بینی کے شوق کو پورا کرنے کے لئے اسے گنگا کا آئینہ دنیا کیسی سادہ اور نیچرل تشبیہ ہے کسی چیز کی کثرت کو بیاباں در بیاباں اور گلستاں در گلستاں کہنا بہت دلآویز طرزِ ادا ہے۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مرزا کوشش کرتے ہیں کہ واقعات کو اپنے طرزِ بیان کے ماتحت رکھ کر ان سے اپنے مفید مطلب نتائج استنباط کریں۔ بنارس گنگا کے کنارے واقع ہے اور شاعر کو حق حاصل ہے کہ وہ بنارس کو معشوق سے تشبیہ دیکر گنگا کو اس کا آئینہ حسن نما قرار دے۔ لیکن جہان آباد بھی تو جمنا کے کنارے واقع ہے اس لئے چونکہ حالات برابر ہیں۔ یہ تشبیہ وہاں بھی استعمال کی جا سکتی ہے مگر شاعر نے واقعات کو اپنے مفید مطلب بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اس منظر کو یوں بیان کیا ہے۔

"وہ شاید جہان آباد نے بنارس کو کہیں خواب میں دیکھ پایا ہے۔ جس سے اسے بنارس سے رشک ہو گیا ہے۔ اور اس کے منھ میں پانی بھر آیا ہے کہ کاش وہ بھی انھیں خوبیوں اور قدرتی مناظر سے متصف ہوتا۔ تو گویا دلی کے پاس سے جو جمنا بہ رہی ہے یہ درحقیقت وہ پانی ہے جو بنارس کو دیکھ کر اس کے منھ میں پانی بھر آیا ہے"

بنارس را مگر دیدہ ست در خواب　　کہ مے گردد ز نہرش در دہن آب
حسودش گفتن آئینِ ادب نیست　　ولیکن غبطہ گر باشد عجب نیست

بنارس کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے وہ کتنے بے تاب نظر آتے ہیں اپنے ترکش کا آخری تیر یوں استعمال کرتے ہیں۔

عبادت خانۂ ناقوسیانست　　ہمانا کعبۂ ہندوستان است

ناظرین یہ نہ خیال فرمائیں کہ واقعی بنارس کو دلی پر فضیلت حاصل ہے اور واقعی مرزا اپنے اثنائے قیام میں اس قدر دلدادہ ہو گئے تھے کہ وہ دلی کو بالکل بھول گئے تھے۔ اور بنارس کی صحبت ان کے رگ و پے میں ساری ہو گئی تھی۔ یقیناً ایسا نہیں تھا۔ وہ گو، دلی کی گلیاں چھوڑ چکے تھے۔ مگر ان کا دل ابھی تک جہان آباد کے گلی کوچوں میں ہی کہیں اٹکا پڑا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کے آب و گل میں دلی کی محبت داخل ہو چکی ہو وہ بنارس میں جا کر دلی کو یوں بھول جائے۔ یہ صرف شاعرانہ تخئیل ہے جسمیں ذرہ بھر بھی حقیقت نہیں جسے کعبہ جانے کو کہا جائے اور حیلہ تراشیوں پر اتر آئے۔ وہ بھلا بنارس میں جا کر دلی کو بھول سکتا ہے، ہاں اسی پر بس نہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں:-

میں نے ایک ہیئت دان سے پوچھا۔ کہ جب دنیا سے اس کی رخصت ہو چکی ہے اور وفا دمہر اور محبت و الفت کا صرف نام۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا ہر عطر نہایت نفیس ہے

ہی نام رہ گیا ہے۔ عبادت گزاری اور خدا پرستی شکم پری کے مرادف ہے۔ باپ بیٹا، بھائی، بہن میں کوئی محبت باقی نہیں رہی اور آشتی و صلح دنیا سے اٹھ چکی ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ قیامت کے آنے میں ابھی دیر ہے کیا ان سے بھی بدتر حالات کا انتظار کیا جا سکتا ہے مہندس نے یہ سنکر جواب دیا۔ کہ گو بنی نوعِ انسان کے اعمال بد اور کردار ناہنجار کا تقاضا تو یہی ہے کہ قیامت جلد سے جلد آجائے۔ لیکن قدرت یہ نہیں چاہتی کہ کاشی کی یہ عظیم الشان و رفیع الشوکت عمارت فتنۂ قیامت کے ہاتھوں تباہ ہو جائے"۔

شبے پرسیدم از روشن بیانے زگردشہائے گردوں راز دانے

کہ ہستی نیکوہا از میاں رفت وفا و مہر آزرم از جہاں رفت

زایماںہا بجز نامے نماندہ بغیر از دانہ و دامے نماندہ

پدرہا تشنہ خونِ پسرہا پسرہا دشمنِ جانِ پدرہا

برادر با برادر در ستیز است وفاق از شش جہت رو در گریز است

بریں بے پردگیہائے علامت چرا پیدا نمی گردد قیامت

بنفخِ صور تعویق از پے چیست قیامت را عناں گیرِ جنوں کیست

سوئے کاشی باندازِ اشارت تبسم کرد و گفتا ایں عمارت

کہ حقا نیست صانع را گوارا کہ از ہم ریزد ایں رنگیں بنارا

بلند افتادہ تمکینِ بنارس بود بر اوجِ او اندیشہ نارس

"وفاق از شش جہت رو در گریز است" اور "قیامت را عناں گیرِ جنوں کیست"، کیسے چست اور اعلیٰ پایہ کے مصرعے ہیں۔ "رو در گریز" اور "عناں گیرِ جنوں" ہر دو نہایت برجستہ تراکیب ہیں۔

مرزا قادر الکلام شاعر ہونے کے لحاظ سے بعض اوقات بڑے متصوف معلوم ہوتے ہیں صوفیانہ شاعری کے سر دفتر مولانا روم کے ایک شعر پر مرزا نے بھی ایک مختصر سی مثنوی لکھی ہے مرزا اور مولانائے روم میں عملی اور شرعی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے زمین آسمان کا فرق ہے۔ مولانا اگر بہت بڑے متدین، صالح، خدا رسیدہ اور شریعت نواز تھے تو مرزا بلا کے رند، غضب کے بادہ نوش اور ہمہ تن تحقیر دین متین ہیں۔ لیکن مرزا کی صوفیانہ شاعری مولانا کی شاعری کے دوش بدوش ہے۔ وہ اسی طرح ہمہ اوست کے عقیدہ کے قائل ہیں۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام تصوف پر حاوی ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اگر مرزا کی اس مختصر سی مثنوی کو مولانا کے کلام میں مدغم کر دیا جائے۔ تو بہت ہی مشکل ہے کہ کوئی تمیز کر سکے۔ وہی برجستگی ہے وہی اسلوب

اپنے دوستوں کو مشورہ دیجئے کہ وہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگائیں

بیان ہے وہی مضمون کی آمد ہے۔ وہی دلآویز تراکیب اور دلکش بندش ہے، وہی تصوف اور حقیقت میں ڈوبا ہوا کلام ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ مثنوی معنوی میں ہے اور یہ کلیاتِ غالب میں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ ایک ایسے آدمی کی باتیں نقل کر رہا ہوں جو حق آشنا ہے اور نے (بانسری) بھی جو کچھ تم کو سنا رہی ہے۔ یہ اپنے پاس سے نہیں، بلکہ ایک حقیقت آشنا دل کی کہانیاں ہیں جو تم کو سنائی جا رہی ہیں۔ اگر تم بھی چاہتے ہو کہ راز آشنا ہو۔ تو اس دربار میں راز خود نہیں ہو کر آؤ تاکہ نورِ معرفت سے تم بہرہ یاب ہو سکو۔ اگر تم شاہدِ حقیقی کے زخم خوردہ نہیں ہو تو اس شراب کے قریب بھی مت پھٹکنا۔ کیونکہ شرابِ معرفت ایسی تند اور پر جوش واقع ہوئی ہے کہ مجھے خطرہ ہے تمھارا سینہ پھٹ نہ جائے اور تم اسکو ہضم نہ کر سکو اس لئے شرطِ اول یہ ہے کہ تم راہ شناس بنو۔ اور کسی راہ شناس سے اکتسابِ فیض کرو۔ لیکن دیکھنا کہیں دھوکا نہ کھا جانا۔ مردِ راہ شناس کی پہچان بھی بڑی مشکل اور دشوار ہے۔ یوں تو خدا کی مخلوق کی کوئی گنتی اور شمار نہیں۔ لیکن تم جانتے ہو کہ اتنی بڑی انتہا خلقت میں بادشاہ ہونے کا فخر صرف ایک کو ہی حاصل ہوتا ہے"۔

من نیم کز خود حکایت مے کنم　　　از دمِ مردے روایت مے کنم
از دمِ فیضے کز استاد آورم　　　خامہ را چوں نے بفریاد آورم
نالۂ نے از دمِ مردِ رہ است　　　کان ہم از ساز و ہم از راز آگہ است
بر نوائے رازِ حق گر دل نہی　　　بایدت چوں نے ز خود بودن تہی
گر نہ دل ریش از مستی خلاف　　　کیں مے از تندی بود پہلو شگاف
اے کہ از رازِ نہاں آگہ نۂ　　　دم مزن از راہ کہ مردِ رہ نۂ
دست در دامانِ مردِ راہ زن　　　لیک رہبر را شناس از راہ زن
در ہزاراں مرد مردِ رہ یکے است　　　آدمی بسیار را ماشہ یکیست
مردِ رہ باید کہ باشد مردِ عشق　　　لب ترنم خیز و در دل دردِ عشق

معرفت اور خدا شناسی کا طریقہ صوفیائے کرام کے ہاں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ کامل پیر و مرشد کی رہنمائی سے انسان منزلِ معرفت پر پہونچ جائے یہ ان کے یہاں نہایت ضروری ہے اور بغیر اس کے کنہ حقیقت امرِ محال ہے۔ مرزا نے بھی یہی بات بیان کی ہے لیکن اگر کسی کو معلوم نہ ہو کہ کہنے والا کون ہے تو اشعار اور بھی وقیع معلوم ہوں گے۔ خصوصیت سے پانچواں اور آخری شعر کس طرح درد اور تاثیر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور پھر کتنے برمحل ہیں۔ شاعرانہ شوخیوں کے لحاظ سے بھی ہر دو شعر بہت بلند پایہ ہیں

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

اور نفس مضمون کے لحاظ سے بھی بہت ٹھوس ہیں اور پھر ایسے شخص کو جو عشق حقیقی کا زخم خوردہ ہے دل ریش، شراب عشق کی تندی کو پہلو شگاف، اور لب ہائے گویا کو لب ترنم خیز کہنا کتنا قابل قدر شاعرانہ کارنامہ ہے۔ وصل شاہد حقیقی سلوک کا انتہائی مقام ہے اور یہی مقام سالکان راہ کا مطمح نظر رہا ہے۔ اسی مقام کے حصول کی خاطر وہ ہر قسم کی تکالیف سہتے ہیں اور قربانیاں کرتے ہیں مرزا ایسے سالک کے لئے جو اس مقامِ قرب کا متلاشی ہو۔ چند ہدایات ارشاد فرماتے ہیں۔

اگر کوئی شخص طالب دیدار یار ہو اور وہ چاہتا ہو کہ اپنے یار کی تجلی سے اپنے کاشانۂ غم کو مشرق زار بنا دے تو اسے چاہئے کہ اپنی جھونپڑی کو صاف کرے۔ اور نامحرم اور اجنبیوں کو اندر نہ آنے دے یار کی راہ میں خالص کستوری کا پا انداز بچھائے راستے میں پانی چھڑک دے تاکہ ہوا کے چلنے سے غبار نہ اٹھے۔ پھر راستے میں پھول بکھیر دے تاکہ اس کے محبوب کا قدم مٹی پر نہ پڑے اپنا میلا کچیلا لباس اتار دے اور صاف لباس زیب بدن کرے جب محبوب اندر قدم رکھے مدہوش ہو جائے اور اپنے آپ کو اس کے قدموں پر گرا دے۔ اب وہاں سوائے محبوب کے اور کوئی نہ ہوگا جیسے سورج کے نکلنے سے سایہ غایب ہو جاتا ہے۔ اور ہر جگہ مہر انور کا ہی پرتو نظر آتا ہے۔ یہاں بھی سوائے محبوب کی تجلی کی اور کچھ باقی نہ رہیگا نہ وصل و فراق کے قصے ہوں گے نہ ہجر و حرماں کی شکایتیں ہونگی۔ صرف محبوب ہوگا اور اس کا نور ہوگا۔ تو اپنی شبنم کو خورشید کے نور میں فنا کر دے اور اپنے جسم کو اس عید کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دے تو اپنے جسم کی سیاہی اور تاریکی کو الگ پھینک دے۔ اگر تو روشنی اور درخشندگی کا خواہاں ہے تو اپنی بے مائگی کو چھوڑ دے اگر تو عماں بننے کا شائق ہے۔"

گفت اندر معرضِ اسرارِ دوست	ہر کہ باشد طالبِ دیدارِ دوست
خواہد از نورِ جمالِ یارِ خویش	روکشِ مشرق در و دیوارِ خویش
بایدش کاشانہ نیکو ساختن	حجرہ از نامحرماں پرداختن
خار و خس از خانہ بیروں ریختن	مشکِ تر با خاکِ رہ آمیختن
آورد آب و زندگی در رہگزار	تا ہوا از رہ نینگیزد غبار
برگِ گل در راہ فشاند مشت مشت	تا نیابد خاک زیرِ پا درشت
رختِ گرد آلودہ از تن برکشد	جامۂ پاکیزہ اندر برکشد
چون درآید آں نگار از خود رود	خوش باستقبالِ یار از خود رود
عاشق از خود رفت دلبر ماند و بس	سایہ گم شد مہرِ انور ماند و بس
جملہ جاناں ماند و جسم و جاں نماند	حسرتِ وصل و غمِ ہجراں نماند

صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ معاملات کی صفائی کی وجہ سے اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے

شبنمے را طعمۂ خورشید کن　　　خویش را قربانیِ ایں عید کن
تیرگی بزدائی تا رخشاں شوی　　　فطرتی بگزار تا عماں شوی

کیا ایک عاشق کی اپنے محبوب کی آمد کی تقریب پر جو تیاریاں ہوتی ہیں یعنہ یہی نہیں ہوتیں اور محبوب کی آمد پر عاشق کا بیہوش دار خود رفتہ ہوجانا کتنا قرین قیاس اور پرلطف ہے۔

محبوب کی تجلی سے عاشق کی جھونپڑی کا جگمگا اٹھنا کسقدر مسرت خیز اور کیف بار ہوگا اور اسے رو کش مشرق شدن سے تعبیر کرنا کتنا بہترین طرز ادا ہے۔ برگ گل در راہ فشاندن مشت مشت، میں مشت کی تکرار کتنی موزوں اور مناسب ہے اور پھر آخری دو شعر کتنے وزنی اور ٹھوس ہیں جن کی شاعرانہ صفتوں نے انہیں چار چاند لگا دیئے ہیں اور حق یہ ہے کہ ان دو اشعار کی تعریف نہیں ہوسکتی اس مقام پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ جب عشق سے مراد عشق حقیقی اور شاہد سے مراد شاہد حقیقی ہے۔ تو پھر شاہد حقیقی کی آمد جھونپڑی پاک وصاف کرنا، اور عاشق کا استقبال کے لئے جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام امور شاہد حقیقی صفات وذات کے منافی ومتبائن ہیں۔ سو اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جھونپڑی کے صاف کرنے سے مراد دفع اوہام ونفی ماسوا ہے۔ اور اس سے مراد صرف یہ ہے کہ انسان اپنے اخلاق کو درست کرے تاکہ وہ اکتساب فیض کا اہل ہوسکے اور محبوب کے آنکے یہ معنی ہیں کہ خدا کے ہاں سے انسان کے دل میں ایک خالص جذبہ پیدا ہوجائے اور استقبال سے مراد آیات ربانی میں فنا اور محو ہوجانا ہے اور یہی مقام فنا فی اللہ کہلاتا ہے

رفتنِ کاشانۂ او صحن مرا　　　دفعِ اوہام ہست ونفیِ ماسوا
بدعا تہذیب اخلاق ہست وبس　　　سعی در تحصیل اشراق ہست وبس
وان خود آرا دلبرے کز در رسد　　　جذبۂ باشد کہ از حق در رسد
رفتنِ عاشق باستقبالِ دوست　　　مطلب از محویت آثار اوست
سالکِ آزادۂ چابک خرام　　　چوں رسد اینجا شوشش تمام
نیست کس بعد از خدا غیر از خدا　　　این بود سر بقا بعد الفناء

غالب گو عملاً سلوک کے ان مقامات سے آشنا نہ تھے، لیکن ان نظریوں پہ ان کو پورا عبور حاصل تھا جس سے مقصد صرف یہ تھا کہ کلام میں شیرینی اور حلاوت پیدا کرسکیں۔　　　باقی .... باقی

عزیز

شہاب کی سرگزشت عہ　نگارستان عہ　صحابیات ۱۲　منیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

گوہرِ محبت

(فسانہ)

موتی جواہرات میں ایک ممتاز مرتبہ رکھتا ہے۔ اس کی آب و تاب ضرب المثل ہو گئی ہے۔ دنیا اس کو تشبیہ و استعارہ کی صورت میں استعمال کرنے لگی ہے۔ چنانچہ آج جس زبان کے ادبیات کا مطالعہ کیجئے آپ کو "گوہر مقصود" جیسی ترکیبیں اکثر ملیں گی۔ یہی نہیں بلکہ واعظوں اور ناصحوں کی زبان پر ایسی ترکیبیں چڑھ گئی ہیں۔ اس چھوٹی سی چیز کو اس قدر اہمیت شاید اس لئے دی گئی ہے کہ وہ ایک ذی حیات کی مشقت سے پیدا ہوتا ہے اور ایک ذی شعور کی جانفشانیوں سے دستیاب ہوتا ہے۔ وجہ جو کچھ بھی ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ "طالع گہر" کا "اوج" ہمیشہ رشک کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور "گوہر فردش" کا "ستارہ" ہر جگہ اور ہر زمانہ میں بلندی پر رہا۔ میں خود اس معاملہ میں کوئی رائے نہیں رکھتا۔ موتیوں کی دھندلی چمک میں میرے لئے کوئی دلکشی نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ معشوق کے دانتوں یا آنسو کے قطروں کو تشبیہ دینے کے لئے اس سے بہتر اور زیادہ موزوں چیزوں کو کیوں نظر انداز کر دیا گیا۔ نہ جانے کیوں موتی اسقدر ہر دلعزیز اور مقبولِ ہر خاص و عام ہو گیا۔

"گوہر محبت" فی الحقیقت ایک تمثیلی افسانہ ہے جس سے اکثر فارسی جاننے والے آشنا ہونگے۔ یہ مسئلہ مدتوں زیر بحث رہ چکا ہے کہ اسکی تفسیر کیا ہو سکتی ہے۔ آیا یہ دکھانا مقصود ہے کہ حسن و عشق غیر فانی اور سرمدی ہے یا دونوں کو سراسر بے بنیاد اور مایا جال ثابت کرنا ہے۔ میں خود کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتا تاہم میرے خیال میں اس افسانہ کی تین طرح سے تاویلیں کی جا سکتی ہیں۔ ایک تو بہت سطحی ہے یعنی یہ کہ کوئی چیز کمال کو نہیں پہنچ سکتی اس لئے کہ کمال جیسی کوئی چیز دنیا میں ہے ہی نہیں۔ درجۂ کمال کا مفہوم یہ ہے کہ اب آگے کوئی درجہ نہیں اور جو شے کمال حاصل کر چکی ہے وہ یا تو رک جائیگی یا پیچھے ہٹیگی۔ لیکن سکون اور حرکت معکوس دونوں اقتضائے ہستی کے خلاف ہیں۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ زندگی میں جس چیز کے لئے ہم سب کچھ کرنا چاہتے ہیں اسی کا وجود ہمارے راستہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور ہمارے کاموں کو اُمیدوں اور خواہشوں کے خلاف بدنما بناتا چلا جاتا ہے۔ ہم جسکو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور جس پر اپنا سارا سرمایۂ حیات نثار کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں اسی کی بہبود کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس سے دستکش ہو جائیں اور اسی میں بالآخر ہماری بھی بہبود ہے۔ مہابھارت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سلطنت کے لئے جن لوگوں کو خون کی ندی میں نہانا پڑا انھیں لوگوں نے آخر میں اپنے فلاح کی صورت یہ دیکھی کہ تاج و تخت سے منھ موڑ کر پہاڑوں میں زندگی کے باقی ماندہ دن گزار دیں۔ رامائن کو لیجئے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی دوکان صرف ایمانداری کی وجہ سے مشہور ہے

جس سیتا کے لئے رام کو ایسے صعب گزار راستے طے کرنے پڑے جس نے رام کی رفاقت کے لئے بن باس لیا اُسی سیتا سے آخر کار رام کو جدا ہونا پڑا یہ کوئی رام کا ظلم نہ تھا کوئی بے اعتنائی نہ تھی کوئی بے اصولی حرکت نہ تھی جیسا کہ اکثر کا خیال ہے اور بعض نہ جاننے والے مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا - بلکہ سیتا اور رام دونوں کی اگر سچ پوچھئے تو نجات اسی میں تھی میں بحث کو زیادہ طوالت دینا نہیں چاہتا - اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس افسانہ میں "تیاگ" کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ "تیاگ" کی خواہش انسان میں کیوں کر پیدا ہوتی ہے اور اس کا سنگ بنیاد کون سا جذبہ ہوتا ہے۔

تیسری تاویل بہت مختصر اور معمولی ہے جو ہر شخص کی سمجھ میں آسانی سے آسکتی ہے - اس قصہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز کی یادگار قائم کرنا نفسِ انسانی کی باطل پرستی ہے ورنہ جو بات ایک بار ہو چکی وہ بجائے خود ایک یادگار ہے صدیاں گزرتی جائینگی مگر وہ یادگار مٹ نہیں سکتی - انسان جھوٹی تسکین حاصل کرنے کے لئے یادگاریں قائم کرتا ہے لیکن ان سے اسکو کبھی تسکین نہیں ہو سکتی - غالب کا یہ مصرع بھی اپنے خاص انداز میں اسی فلسفہ کی تعلیم دیتا ہے:

بھول جانا ہے نشانی میری -

محبوب اگر مر جائے تو جہاں تک ممکن ہو اس کا نشان مزار بھی باقی نہ رہنے دو تاکہ اس کی یادگار میں ایک تخئیل مطلق کے سوا کچھ نہ رہے - مادیات کا ایک ذرہ بھی اسکو آلودہ نہ کر سکے - اس قسم کی یادگار کبھی فنا نہیں ہوگی اگر یہ سچ ہے کہ قادر مطلق غیر فانی ہے -

افسانہ بہت چھوٹا ہے - اس کو اگر ایک تمثیل کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے - لیکن اس کی تاویلیں ادبیات فارسی کا ایک خاص جزو بن چکی ہیں - شاعروں نے اُسپر حاشیے چڑھائے اور اس کے متعدد مطالب بیان کئے مذہبی پیشواؤں نے موقع پاکر موت و زندگی، حشر و نشر، جسم و روح کے نہ جانے کتنے مسائل حل کر ڈالے - ماہرین "جمالیات" نے بھی اپنا حصہ نہ چھوڑا اور افسانہ کو اپنے رنگ میں رنگ لیا اور بعض نے تو یہ کہدیا کہ یہ کوئی افسانہ نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعہ ہے جس کی تردید نہیں کیجا سکتی -

قصہ شمالی ہند سے متعلق ہے یہ وہ خطہ ہے جو کسی زمانہ میں حسن و محبت کے لئے دنیا کا سب سے زیادہ بارور ملک تھا اور شاید اب بھی ہے - اس زرخیز سرزمین پر سورج کی کرنیں ہمیشہ اپنا خزانہ نچھاور کر رہی تھیں جنگلوں اور پہاڑیوں کی دلفریب فضا فطرت کی عنایتوں کی خاص مثال تھی - وہ خوشگوار جھیلیں وہ شاداب وادیاں - وہ سرسبز میدان وہ برف پوش چوٹیاں! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آدم و حوا کی جنت یہی رہی ہوگی جہاں یاس و حرمان - بیدلی اور افسردگی جیسے الفاظ کے کوئی معنے نہ تھے ہرن اس طرح چوکڑیاں بھرتے تھے گویا درندوں کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ تھا - چڑیاں اس طرح چہچہاتی تھیں جیسے شکاریوں کا کھٹکا کوئی چیز نہ تھا - اس ملک کے بسنے والے زندگی میں کوئی کمی نہ محسوس کرتے - ان کا نوجوان بادشاہ اگر ایک طرف اپنی صورت میں بے مثل تھا تو دوسری طرف

مشکی زردہ جعفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو کا اچھا ہوتا ہے -

عقلمندی اور دور اندیشی میں آپ اپنی نظیر تھا۔ مطلق العنان ہونے کے باوجود وہ رعایا کی مصلحتوں کو اپنی خواہشوں پر مقدم سمجھتا۔ اس کے قلمرو میں اور بہت سی ریاستیں تھیں اور گرد و نواح میں وہ شاہنشاہ سمجھا جاتا تھا مگر وہ خود اپنے کو ملک اور رعایا کا خادم تصور کرتا تھا

بادشاہ کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ اسکو جب کبھی اُمور سلطنت سے فرصت ملتی تو وہ سیر و شکار سے اپنا جی بہلایا کرتا۔ آخر کار اسکو ایک ایسی حسین لڑکی مل گئی جو حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھی معصوم بادشاہ حسن کی ذوق انگیزیوں سے آشنا ہوگیا اور اس کو معلوم ہوا کہ محبت ایک مزے کی چیز ہے۔ اس نے اس چاند کے ٹکڑے کو اپنے تاج و تخت میں شریک بنا کر محبت کو مستحکم اور پائدار کر لیا۔ غریب و نادار لڑکی ملکہ ہوگئی۔ اب بادشاہ ایسا محسوس کرنے لگا کہ اس کو اس جنم میں کسی چیز کی حاجت نہیں ہے ملکہ بھی بادشاہ کی محبت میں دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی۔ دونوں کی زندگی محبت سے معمور تھی۔ دن رات ان کے تھے جینا ان کا تھا۔ دنیا ان کی تھی تلخکامی سے وہ نا آشنا تھے۔ رنج و مصیبت کا ان کو تجربہ نہ تھا دونوں سمجھ رہے تھے کہ جینا نام ہے صرف لذت کا۔ ایسی کامیاب محبت کا خواب بھی کم لوگوں نے دیکھا ہوگا۔

اسی بے خبری کے عالم میں ایک سال گزر گیا۔ دفعتاً زمانہ نے کروٹ بدلی۔ کار پردازانِ قضا و قدر نے نظام عالم کو از سرِ نو ترتیب دینا چاہا تو ان کی نگاہ ان دو خوش نصیب متوالوں پر بھی پڑی۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ بادشاہ ملکہ کے ساتھ باغ میں چاندنی رات کا لطف اٹھا رہا تھا ملکہ چاند سے ناخوش تھی۔ وہ اس کی بیباک اور شوخ نگاہی کو گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ یکایک وہ سراسیمہ ہو کر چونک پڑی اور اس کے منھ سے ایک چیخ نکل گئی۔ بادشاہ نے مڑ کر دیکھا تو اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ملکہ کو سانپ نے ڈس لیا تھا تھوڑی دیر بعد وہ اپنے چاہنے والے کی آغوش میں ہمیشہ کے لئے سو گئی۔

آدھی رات ہو چکی تھی چاند کی شوخ نگاہ پڑ رہی تھی پھولوں کی مہک فضا میں بس رہی تھی بادشاہ کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا اس نے کبھی موت نہیں دیکھی تھی۔ وہ غور سے اس چہرہ کو دیکھ رہا تھا جس میں موت نے ایک نئے رنگ کا اضافہ کر دیا تھا۔ اس کے سوچنے کی قوت زائل ہو رہی تھی اسکو کسی طرح یقین نہ ہوتا تھا کہ ملکہ اس سے یا وہ ملکہ سے عمر بھر کے لئے چھن گیا ہے۔ وہ اس خوفناک حقیقت کو سمجھنے سے معذور تھا کہ اب کبھی ملکہ اس کے ساتھ سیر کرنے باغ میں نہیں آئیگی۔

دو روز تک بادشاہ ملکہ کی لاش کے قدموں سے لگا رہا اور خاموشی کے ساتھ ماتم کرتا رہا ارکانِ دولت کو خوف تھا کہ کہیں وہ اس جانکاہ صدمہ سے مغلوب ہو کر خودکشی نہ کرے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بادشاہ کا دھیان ٹالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر بادشاہ بچہ نہیں تھا تیسرے روز وہ خود بخود اٹھا اور کھا پی کر بدستور اپنے ملک کے ضروری کاموں میں مصروف ہو گیا۔ انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسنے کوئی زبردست ارادہ کر لیا ہے جس سے اسکو بہت سکون ہو گیا ہے۔

اس نے لاش کو ایک چاندی کے صندوق میں محفوظ کیا اور اس کو پھر ایک صندل کے صندوق میں رکھا جس پر سونے کا

ایک مرتبہ امتحاناً اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے کچھ مال منگا کر دیکھئے

کام کیا ہوا تھا۔ اس صندوق کے لئے ایک اور سنگ مرمر کا تابوت بنوایا گیا اور اسمیں قیمتی جواہرات جڑوائے گئے۔ اس درمیان میں بادشاہ ان کنجوں اور سیرگاہوں میں جا جاکر ملکہ کی یاد میں اپنا جی بہلایا کرتا تھا جہاں وہ اس کے ساتھ فرصت کا بیشتر حصہ صرف کرنے کا عادی تھا۔ اُس نے نہ کپڑے پھاڑے نہ چہرہ پر راکھ ملی جیسا کہ اس زمانہ کی رسم تھی۔ کچھ دنوں بعد وہ پھر دربار کرنے لگا اور ملک کے انتظام کی نگرانی شروع کردی اُس نے اہل دربار کو اپنے ارادہ سے آگاہ کرنے کے لئے کہا "میں اب کسی عورت سے سروکار نہ رکھوں گا بلکہ عورت کا خیال بھی دل میں نہیں لاؤنگا۔ اس لئے کسی ایسے لڑکے کو گود لینا چاہتا ہوں جو میرا وارث بننے کی قابلیت رکھتا ہو۔ لیکن اسکے علاوہ میں اپنی ساری زندگی ساری طاقت اور ساری دولت ملکہ کی ایک یادگار تیار کرانے میں صرف کردونگا جو ملکہ کی طرح دنیا میں اپنا جواب نہ رکھتی ہو جو ہر زمانہ میں ایک انوکھی چیز سمجھی جائے جس کی زیارت کو دور دور سے دیکھنے والے آئیں اور ملکہ کو یاد کریں۔ تاکہ ہماری محبت فانی نہ سمجھی جائے" اہل دربار نے بادشاہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ ایک مقبرہ کی بنیاد ڈالی گئی جس کا نام "گوہر محبت" رکھا گیا۔

سال پر سال گزر رہے تھے اور "گوہر محبت" کی تعمیر کا سلسلہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا اور نہ بادشاہ کی سرگرمی میں سرمو فرق آیا پہاڑ کی چٹانیں کاٹ کاٹ کر یہ عمارت بنوائی گئی تھی جسکا شمار نوادر عالم میں ہو رہا تھا۔ چاروں طرف سبزہ زار پہاڑیاں تھیں اور بیچ میں "گوہر محبت" ایک جانب دریا لہریں لے رہا تھا جو عمارت کو اور بھی پُر شکوہ بنائے ہوئے تھا "گوہر محبت" کے وسط میں ملکہ کا مرمریں تابوت تھا۔ اس کے گرد قیمتی پتھروں کے ستون کھڑے تھے جو صناعی کے بہترین نمونے تھے۔

پہلے "گوہر محبت" کی عمارت بہت چھوٹی تھی مگر رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ پہلے اس میں اتنے گنبد اور کنگرے نہ تھے جتنے کہ بعد میں ہوگئے اس کے طاق درواق اور در و دیوار کے نقش و نگار ہمیشہ نئی اور پہلے سے زیادہ دلکش صورت اختیار کرتے رہے۔ بادشاہ جب اسکو دیکھنے آتا تو اس میں کوئی نہ کوئی خامی یا کمی پاتا اور اپنے تخئیل کے مطابق کوئی ترمیم یا اضافہ کرا دیتا۔ زائرین آتے اور "گوہر محبت" کو دیکھکر دنگ رہجاتے۔ عورتیں دیکھتیں اور کہتیں "دیکھو محبت بھی کیا چیز ہے؟ کیسے کیسے کرتب دکھاتی ہے؟"

مگر بادشاہ کو کسی نہ کسی طرف سے اسمیں خامیاں نظر آجاتی تھیں اور وہ مضمحل ہو جاتا تھا اسی طرح اس کی آدھی عمر گزر گئی اور ملکہ کی یادگار معیار پر پوری نہیں اتری۔ اب بادشاہ اور بھی جوش اور سنجیدگی کے ساتھ اس بات پر تل گیا کہ "گوہر محبت" کو اپنی تخئیل کے لحاظ سے درجہ کمال تک پہنچا دے۔ ہر سال محراب اور مینارے نئی طرز پر بنائے جاتے۔ نئے نئے قسم کے جواہرات آتے اور ان کی پچی کاری ہوتی پرانے نقوش اور کتبے مٹا دئے جاتے اور انکی جگہ نئے کندہ کئے جاتے۔ بادشاہ کا مذاق آہستہ آہستہ بدل رہا تھا اس کو سنہرا رنگ اب بالکل مرغوب نہیں تھا۔ چنانچہ اس کی جگہ آسمانی رنگ نے لے لی تھی۔ کچھ مدت بعد اس کے مزاج میں اسقدر سادگی آگئی کہ اُس نے تمام نقش و نگار جن کو اب وہ بچپن کا کھیل سمجھنے لگا تھا مٹوا دئے۔ پھر بھی دیکھا تو "گوہر محبت" کو نا مکمل اور

بہترین عطر منگانے کا پتہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

عیوب سے بھرا پایا۔ بادشاہ حیران تھا کہ اب کیا کرے۔ بہت غور کرنے کے بعد اس نے ایک دن حکم دیا کہ اگر ان پتھر کے ستونوں کو گرا دیا جائے تو تابوت زیادہ خوشنما نظر آئے گا۔ حکم کی تعمیل ہوئی مگر "گوہر محبت" میں اب بھی کوئی نقص باقی تھا۔

دوسرے دن بادشاہ پھر آیا اور تابوت کو غور سے دیکھنے لگا۔ بڑی دیر تک تامل کے بعد اسنے معمار سے کہا "اب تو اس میں بجز ایک چیز کے اور کوئی نقص نہیں معلوم ہوتا۔ اور یہ تابوت ہے جو نہایت بدنما اور غیر ضروری نظر آتا اسکو یہاں سے فوراً اٹھا لیجاؤ۔"

مجنوں

بادۂ ناب مجموعۂ رباعیات فارسی نیر ولی اللہ صاحب بی اے عمہ

مطالبۂ فطرت (۲ جلد) اتحاد فلسفہ و اسلام پر ایک بیمثل تصنیف عمہ

حلقۂ مسموم کینن ڈائل کے ایک علمی افسانہ کا ترجمہ عمہ

سالومی - اسکر وائلڈ کا نہایت مشہور ڈراما ترجمہ مجنوں گورکھپوری ۲

نمکدان فصاحت - عربی فارسی اردو کے بہترین علمی ادبی تاریخی لطائف عمہ

تذکرۂ حضرت بلھے شاہ پنجاب کے نہایت مشہور بزرگ کے تاریخی حالات مستند ذرائع سے قیمت صرف ۸ر

جہاں آرا بیگم - شاہزادی جہاں آرا بنت شاہجہاں کی نہایت مستند تاریخ ۸ر

بندگی - امام ابن تیمیہ کی مشہور کتاب "العبودیت" کا بیمثل ترجمہ حقایق دینی و تصوف کی بے نظیر کتاب قیمت صرف ۳ر

لسان الغیب - حافظ شیرازی کی سوانح عمری اور ان کے دیوان کی بہترین شرح جلد اول ۶ر جلد دوم ۱۲ر

کاس الکرام - عمر خیام کے مفصل حالات زندگی اور رباعیات کی مکمل شرح اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے قیمت ۶ر (مینجر نگار لکھنؤ)

انتخاب نایاب

لکھنؤ کے چند نادر تحفے

برقی قوام تمباکو! فی تولہ ---------- ۱۲؍

برقی قوام کی گولیاں!! سنہری فی تولہ ۱۲؍ روپہلی فی تولہ ---- ۸؍

زردہ تمباکو اکسٹرا اسپیشل فی سیر ۵۵

زردہ تمباکو، مشکی فی سیر ۳۲ زعفرانی فی سیر للعہ

عطر اسٹار آف انڈیا فی تولہ ---- ۴؍ ---- ۲؍ ---- للعہ

عطر گلستان ارم فی تولہ ---- ۱؍ ---- ۸؍ ---- ۵؍

پری بانو ہیر آئیل - فی شیشی چار اونس ---- ۸؍

عطر بہار جس کی پاکیزہ خوشبو ہوائے بہار کی طرح روح پرور اور ولولہ انگیز ہے فی تولہ عہ شیشی ۲؍

برقی قوام، یہ وہی شہرۂ آفاق قوام ہے جو ہندوستان بھر میں بالاتفاق لاثانی تسلیم کیا گیا ہے، اور جس نے پان کھانے والی پبلک کو اپنا دالہ و شیدا بنا رکھا ہے۔ اگر اب تک نوش نہ فرمایا ہو تو اب ایک مرتبہ ضرور نوش کیجئے فی تولہ ۱۲؍

شیخ خورشید علی تاجر عطر و تمباکو نظیر آباد لکھنؤ

صغر علی محمد علی تاجر عطر کی دوکان بہت مشہور ہے

اکبر، آئین اکبری میں

شہنشاہ اکبر کے حکم سے اس کے وزیر ابوالفضل نے اسکی سوانحعمری لکھی ہے۔ یہ کتاب اسکے نظام حکومت اور ملک کے مختلف صوبوں کے حالات، اعداد و ہندسہ کی تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے جو اس کی عہد سلطنت کی ایک قابل قدر یادگار ہے[1]

اس کتاب کے پڑھنے سے مغلوں کی سلطنت کی انتہائی عظمت و جلال کی ایک خوشنما تصویر نگاہ کے سامنے پھر جاتی ہے اسمیں اس روشن دماغ بادشاہ کے خصائل، آئین اور قوانین کی صورت میں دکھائے گئے ہیں۔ ابوالفضل کی طرز تحریر سراسر خوشامد اور چاپلوسی سے بھری ہوئی ہے جو اہل مغرب کی نزدیک ناپسندیدہ بات ہے خاصکر اس لئے کہ اس کا مخاطب بادشاہ ہے اور سلاطین کی وقعت دقیانوسی بات ہوگئی ہے تاہم یہ ان تقریروں سے زیادہ مکروہ نہیں ہے جو پارلیمنٹ یا کانگریس کے امیدوار ووٹ دینے والوں سے کرتے ہیں جس طرح سے کہ سمجھدار آدمی آخرالذکر خوشامدانہ تحریر کو وقعت کے ساتھ نہیں دیکھتے اسی طرح سے ہم اول الذکر طرز تحریر کو شمار میں نہیں لاتے۔ اسی لئے میں نے ابوالفضل کی کتاب کا وہ حصہ جسمیں زیادہ تر بادشاہ کی مدح و ثنا درج ہے ترک کر دیا ہے کیونکہ وہ ایک قسم کا رسمی تکلف ہے جسمیں واقعیت کم ہے۔

اکبر ہمایوں کا بیٹا تھا۔ وہ ۱۵۵۶ء میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور قریب قریب پچاس برس سلطنت کرنے کے بعد ۱۶۰۵ء میں انتقال کر گیا۔ اس کی لڑائیوں اور فتوحات کی تاریخ اس قدر دلچسپ نہیں ہے جتنی کہ اسکے ملکی انتظام کی تصویر۔

ابوالفضل کی کتاب سے ہمیں اسکا پورا پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ اپنی ایسی وسیع اور باقاعدہ سلطنت کے ہر جزوی معاملات میں دست اندازی کرتا تھا جو فارس سے دریائے گنگ تک اور کشمیر سے دکن تک پھیلی ہوئی تھی۔ کتاب کی فہرست مضامین پر نظر ڈالنے سے منجملہ اور بہت کے یہ خاص عنوان مضمون پائے جاتے ہیں۔ آئین منزل آبادی، آئین خزینہ آبادی، آئین خزینہ جواہر، آئین دارالضرب آئین شبستان اقبال، آئین منزل در یورشہا، آئین فرود آمدن اردو، آئین شکوہ سلطنت، آئین خوشبوخانہ، آئین تصویر خانہ، آئین توپ، آئین اصطبل بنا بر فیل، اسپ، شتر، گاو۔ آئین آویزۂ جانوران و جنگ آہو۔ آئین آموزش، آئین در ملک آبادی، آئین احوال پنجدہم صوبہ، تفصیل شرح لگان۔ آزادی مذہب، احوال ہندوستان، اس کے باشندے۔ ان کے علوم الہیات انکے

[1] اس کتاب آئین اکبری کا دو مرتبہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ (۱) فرنسیز گلیڈون نے ۱۷۸۳ء میں (۲) پروفیسر بلاکمین نے ۱۸۷۳ء میں ترجمہ کیا ہے ۱۸۷۳ء کے ترجمہ میں ایسے مکمل، ایسے دلچسپ اور ایسے فاضلانہ حواشی اضافہ کئے گئے ہیں کہ ابوالفضل کی اس کتاب کو دنیا کی سب سے بڑی کتابوں کی فہرست میں داخل ہونے کا دوہرا حق حاصل ہوگیا ہے۔ میں نے اس باب میں دونوں ترجموں کا اقتباس کیا ہے۔ مصنف

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگایئے

رسم و رواج وغیرہ وغیرہ اور ان کے علاوہ ہزاروں سی باتیں ہیں۔

ابوالفضل لکھتا ہے "یہ جمہور کا تسلیم کردہ مسئلہ ہے کہ رعایا کی عادات کی اصلاح۔ زراعت کی ترقی۔ دفاتر کا انتظام۔ فوج کی شائستگی سے عمدہ اور پاکیزہ کوئی شغل نہیں ہے۔ اور یہ پسندیدہ مقصد اُسوقت تک حل نہیں ہو سکتا جبتک کہ رعایا کی رضامندی کے اسباب پر غور نہ کیا جائے آمدنی کا پورا انتظام نہ کیا جائے اور سلطنت کے اخراجات میں کفایت شعاری نہ برتی جائے جب یہ جملہ امور ملحوظ خاطر رہیں گے تو ہر درجہ کے لوگ خوشحال رہیں گے۔"

اکبر کے مورث اعلیٰ تیمور کے خیالات سے اس فقرہ کا مقابلہ کرو۔ کیسا زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے! رعایا کی خوشحالی! اس سے تیمور کے ان خوفناک کوچ اور ہیبتناک محاصروں کا مقابلہ کرو جن کی یادگاریں آدمیوں کے سر اکٹھا کر کے مینار بنائے گئے تھے۔ زراعت کی ترقی! یہ خیال ان ترکی سپاہیوں کے جانشین کا ہے جو گیہوں کو دیکھکر لعن طعن کرتے اور اسے "گھاس کی بنگی (دانہ) بتاتے"۔

بادشاہ نے ہر محکمہ کے لئے خزانچی مقرر کئے تھے جو روزانہ، ماہوار، سہ ماہی اور سالانہ حساب مرتب کرتے تھے۔ ہیرے اور دیگر جواہرات جو خزانہ شاہی کے متعلق تھے ان کی قیمت لگا کر قسم وار رکھائے گئے تھے۔ موتی کوڑی کوڑی کر کے علیحدہ پرو دئے گئے تھے اور ہر لڑی کے سرے پر مہر لگا دی گئی تھی تاکہ کوئی ان میں سے تبدیل نہ کر سکے یا چرا نہ سکے۔ ہر قیمتی لعل و یاقوت پر لکھا ہوتا تھا "بیش بہا لعل" ایک ٹکسال[1] قائم کی گئی تھی جس کے مقررہ قواعد بنے اور تنخواہ دار ملازم اسمیں رکھے گئے۔ اسمیں قیمتی دھاتوں کی خوبی کے متعلق قاعدے مقرر کئے گئے۔ کم وزن کے سکے مقررہ بٹہ پر واپس لئے جاتے تھے۔ جب ہم ان فقروں کو پڑھتے ہیں کہ "معاملات زر اطمینان کے ساتھ طے ہو جائیں گے جبکہ فریقین اپنا اپنا عندیہ صاف طور پر ظاہر کریں اور وہ قلم اٹھا کر اپنا بیان ما یقرء خط میں لکھدیں" تو ہمیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہم ازمنۂ متوسطہ میں ہیں۔ اکبر نے اپنے سکوں کے خالص ہونے کا ایک خاص معیار مقرر کیا تھا اور ان کی شکل و صورت میں بھی ترقی دی تھی۔ وہ سنگِ سلیماں کے مقررہ باٹوں سے وزن کئے جاتے تھے۔ اس کے ایک سکہ پر یہ عبارت

---

(۱) منجملہ اس کے جوہریوں کے ایک انگریز مسٹر لیڈس بھی تھے بادشاہ نے ان کی بہت خاطر کی، ایک مکان پانچ خدمتگار، ایک گھوڑا اسے عطا کیا اور روزانہ چھ شلنگ نقد دیا کرتا تھا۔ مسٹر لیڈس کا عجیب و غریب قصہ ہے یہ صاحب منجملہ اُن چار انگریزوں کے ہیں جنھوں نے سنہ ۱۵۸۳ء میں شام اور فارس سے ہندوستان کا سفر اختیار کیا تھا اور ملکہ الزابتھ کے خطوط مغل اعظم کے نام لائے تھے بہت سے مصایب جھیلنے کے بعد ان سب کا مختلف انجام ہوا مسٹر اسوری اگوا میں پادری ہو گئے۔ مسٹر لیڈس اکبر کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ نیوبری نے وطن کی واپسی میں انتقال کیا اور مسٹر فچ سنہ ۱۵۹۱ء میں انگلستان واپس ہوئے اور اپنے سفر کے حالات شائع کئے۔

ابومسلم خراسانی جرجی زیدان مصری کے مشہور ناول کا اردو ترجمہ قیمت صرف ۱۲ ملنے کا پتہ:- (منیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ)

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ملتا ہے۔

کسندہ تھی:۔ "افضل دینار ینفقہ الرجل دینار ینفقہ علی اصحابہ فی سبیل اللہ"

بہترین دینار جو انسان خرچ کرتا ہے وہ ہے جو خدا کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے

اکبر نے خود سکوں کے دہات میں خاص خاص ناقص دہاتوں کے آمیزش کا رواج دیا۔ جانوروں کی لڑائی میں شرط لگانے کے مفصل قاعدے مقرر کئے گئے "تیرہ درجوں میں ہاتھی کی لاغری رکھی گئی" تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی خوراک میں سے کچھ چرایا تو نہیں گیا۔

اکبر نے ہر ایک شے کو جدا کرنے اور اسے باقاعدہ ترتیب دینے کی خواہش اپنے باپ ہمایوں سے ورثہ میں پائی تھی جسمیں ترتیب دینے کا میلان مضبوطی کیساتھ ودیعت کیا گیا تھا۔ ہمایوں نے اپنی اوایل زمانہ حکومت میں تین طرح پر لوگوں کی تقسیم کی تھی۔ شاہی خاندان کے لوگ، شرفا، فوجی سردار اول درجہ میں تھے۔ صوفی، سادات، علما، قاضی و مفتی۔ ہیئت داں اور شعرا علاوہ اور بڑے معزز آدمیوں کے دوسرے درجہ میں تھے۔ جوان اور حسین، مغنی اور مطرب تیسرے درجہ میں رکھے گئے تھے۔ کاروبار کے لحاظ سے ہفتہ کے دن ان تینوں قسم کے لوگوں میں بحصہ مساوی تقسیم تھے یعنی دو دن ہر ایک درجہ کے آدمیوں کے لئے وغیرہ وغیرہ لیکن تاج و تخت بلکہ خود اپنی جان کی حفاظت میں زیادہ مصروف رہنے کی وجہ سے اس کے یہ خیالی اور احمقانہ منصوبے قایم نہ رہ سکے جن کا کہ ہمنے بہت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ابو الفضل حرم شاہی یا شبستان اقبال کے متعلق (دلسوزی سے) لکھتا ہے "عام طور پر عورتوں کی کثرت سے بڑی دقتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں لیکن گیتی پناہ نے حد درجہ عقل اور احتیاط سے کام لیا ہے جن سے مکانوں کی آبادی اور خانہ داری کے بہترین انتظام درست کئے جا سکتے ہیں۔ راجگان ہند اور دیگر بلاد کے شاہزادوں کی لڑکیوں سے شادی کی خواستگاری کرکے اُس نے اپنے تئیں در دولت پر فتنہ و فسادات سے محفوظ کر لیا ہے اور باہر کے لئے ایک مضبوط اتحادی طاقت قایم کر رکھی ہے[ف]۔ حرم کا احاطہ اتنا وسیع ہے کہ ہر ایک کے لئے جداگانہ مکان نامزد ہے جن کی تعداد پانچ ہزار سے بھی بڑھ کر ہے۔ ان کی جماعتیں بنادی گئی ہیں اور ہر عورت کے لئے جداگانہ خدمات مخصوص ہیں۔ ہر گروہ پر ایک عورت بطور نگراں و دیدبان مقرر ہے اور پھر ان سب پر ایک اور محافظ عورت منتخب کی گئی ہے تاکہ حرم کے معاملات کی بھی اسی نظم کے ساتھ رہنمائی ہوتی رہے۔ جیسا کہ سلطنت کے اور محکمہ جات کی ہو رہی ہے اس طرح پر حرم شاہی ایک قسم کا سرکاری دفتر تھا۔ ان کی سردار ماہم انکہ تھی جو اکبر کی دایہ اور بچپن کی مشکل خطرات میں اسکی وفادار رفیق رہ چکی تھی اور جو درحقیقت اوائل زمانہ حکومت میں اسکی وزیر اعظم تھی۔ ابو الفضل لکھتا ہے۔

ف یہ اکثر بیان کیا گیا ہے کہ اکبر کی بیگمات میں سے ایک عیسائی شہزادی بھی تھی۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ حاشیہ ایک غلطی کی اصلاح کے لئے لکھا جاوے۔ معزز راجپوتوں کے شاہی خاندانوں میں سے صرف ایک راجہ اودیپور نے مغل فاتحین کے گھرانے سے شادی بیاہ کے تعلقات کو نہایت مستقل مزاجی کیساتھ نامنظور کیا اور قدیم راجپوتوں کے مراسم کے مطابق آج تک وہ خالص راجپوت سمجھے جاتے ہیں۔ مصنف

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر مل سکتا ہے

اون میں سے ہر ایک اپنی قابلیت کے اندازہ سے تنخواہ پاتی ہے ۔ قلم بادشاہ کی بے حد بخشش کا احاطہ نہیں کر سکتا لیکن اسموقع پر ماہوار معاش کی کسیقدر تفصیل دیجاتی ہے ۔ اعلیٰ طبقہ کی بیگمات ۶۱۰ روپے سے لیکر ۱۰۲۸ روپیہ تک پاتی ہیں۔ بعض خاص پرستاران کو اکیاون روپیے سے بیس روپیہ تک اور بقیہ کو دو روپیہ سے لیکر چالیس روپیہ تک معاش دیجاتی ہے " جب اس گروہ میں سے کسی عورت کو کچھ ضرورت پیش آتی ہے تو وہ تحویلدار سے کہلا بھیجتی ہے ۔ شبستان اقبال کا اندرونی احاطہ عورتوں کی پاسبانی میں ہو علاوہ ان کے خواجہ سرا ، دیدباں (درباں) اور فوجی سپاہی (پاسبان) بیرونی حصہ میں ہر ایک مقررہ مختلف فاصلوں پر مامور رہتے تھے ۔

کیمپ شاہی سامان سفر اور خیمہ جات کیوجہ سے ایک قصبہ کی طرح گنجان رہتا تھا کیونکہ جب بادشاہ ایک شہر سے کوچ کرتا تھا تو اس کے ساتھ باشندے بھی روانہ ہوتے تھے جن میں سوداگر، مختلف خانداں کے لوگ، نوکر اور غلام سب ہوتے تھے ۔ کیمپ شاہی اچھا خاصہ خیموں کا شہر معلوم ہوتا تھا ۔ اکبر کی مختلف مہریں تھیں ایک پر صرف اس کا نام کندہ تھا ۔ دوسرے پر اس کے آبا و اجداد کا نام تیمور تک تحریر تھا ۔ دادخواہوں کی عرضیوں پر جو مہر ثبت کی جاتی تھی اس پر یہ بیت نقش تھی ؎

راستی موجب رضای خداست ؎

کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

وہ گیتی خداوند مطبخ کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول فرماتے رہتے ہیں اور بہت سے آئین اس کے متعلق بھی مرتب فرمائے ہیں چوبیس گھنٹہ کے وقفہ میں صرف ایک بار طعام تناول فرماتے ہیں اور سیر ہونے سے پہلے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں، لیکن پرستارانِ شبستانِ اقبال کے کھانے کا سلسلہ صبح سے شروع ہو کر شب تک ختم ہوتا ہے " " دیانت دار لوگ محکمۂ مطبخ میں ملازم رکھے گئے ہیں اور باینہمہ خود بدولت انکی نگرانی سے غافل نہیں رہتے "

بابر کے وقت میں باورچیخانہ کے اوپر ایک شامیانہ نصب کر دیا جاتا تھا تاکہ اوپر سے کوئی زہریلی چیز گرا نہ دیجاوے اور سب کھانا محافظین کی نگرانی میں طیار ہوتا تھا ۔ علاوہ اس کے چاشنی گیر مقرر کئے جاتے تھے تاکہ بادشاہ کی جان ہر قسم کی آفت سے محفوظ رہے ۔ ذائقہ چکھنے والے جو غافل پائے جاتے ان کی زندہ کھال کھنچوائی جاتی تھی ! اکبر نے بھی اس قسم کی احتیاط جائز رکھی تھی ۔ باورچیخانہ سے طباق دسترخواں سے ڈھک کر بھیجے جاتے تھے جن کے سرے سربمہر ہوتے تھے ۔ ظروف مسی جو بادشاہ کے استعمال میں رہتے ہیں اُن پر مہینہ میں دوبار قلعی کی جاتی ہے ۔ شاہزادگان اور پرستاران شبستانِ اقبال کے

لہ اکبر کا روپیہ موجودہ زمانہ کے حساب سے آٹھ آنہ دس پائی کے برابر ہوتا ہے مصنف

اصغر علی محمد علی تاجر عطر کی ایک بشاخ چاندنی چوک دہلی میں ہے

استعمال کے برتن مہینہ میں ایک بار قلعی کرائے جاتے ہیں۔" ہر ایک چیز اس آئینی سلطنت میں باقاعدہ تھی۔ اکبر صرف گنگا کا پانی شورہ سے ٹھنڈا کر کے پیتا تھا۔ "شورہ کو جو بارود کی ترکیب میں گرمی پیدا کرتا ہے خدیو جہان اپنی فراست سے پانی ٹھنڈا کرنے کے کام میں لاتے ہیں۔"

اکبر کے پینے کا پانی اور کھانے کا سامان برتنوں میں سر بمہر رہتا تھا۔ اسلحہ خانے اور باغات کی حفاظت کے لئے معتبر ملازم تھے۔ اس قسم کی احتیاط ایسی سلطنت میں جہاں سازش کا بازار گرم رہتا تھا اور جہاں زہر خورانی کا عام رواج تھا نہایت ضروری تھی۔[1]

وزیر نے تیس (۳۰) قسم کے کھانوں کے مسالے درج کئے ہیں۔ میں صرف یہاں پر ایک کھانے کا ذکر کرتا ہوں۔ "دس پونڈ گیہوں کے آٹے کا خمیر کر کے اس قدر دھویا جائے کہ کم ہو کر دو پونڈ رہ جائے، ایک پونڈ روغن زرد اور اسیقدر پیاز؛ زعفران، قاقلہ، قرنفل ہر ایک ½ اونس، دارچینی، فلفل، کشنیز ہر ایک ¼ اونس، زنجبیل تر و نمک ہر ایک ½ ۱ اونس بعض عرق لیمو بھی زیادہ کرتے ہیں۔" اہل مغرب کے لحاظ مذاق سے یہ ایک خارج از بحث بات ہے کہ آیا لیمو شامل کیا جائے یا نہیں۔ اکبر کے سامنے معمولاً سو قسم کے قابوں کی فہرست رکھی جاتی تھی۔ ایک روز جبکہ گیتی پناہ خاصہ تناول فرما رہے تھے دل پر یہ الہام ہوا کہ شاید کسی گرسنہ شخص کی نگاہ کھانے پر پڑی ہے۔ اس لئے وہ خود بدولت کیسے کھا سکتے تھے جبکہ بھوکے اس سے محروم تھے؟ اس لئے حکم صادر فرمایا کہ "روزانہ طعام خاصہ سے جو ما بدولت کے لئے طیار کیا جاتا ہے چند بھوکے لوگ کھلائے جایا کریں تب اس کے بعد ما بدولت کے لئے طعام لایا جایا کرے۔" "بادشاہ کو گوشت کھانے کی طرف میلان نہیں ہے اور وہ اکثر کہتا ہے 'خدا نے آدمی کے لئے ہر قسم کی غذائیں مہیا کر دی ہیں لیکن بے عقلی اور گرگ خوری نے وہ جانوروں کو ہلاک کرتا ہے اور اپنے جسم کو جانداروں کا گورخانہ بناتا ہے۔ اگر میں بادشاہ نہ ہوتا تو میں فوراً گوشت خوری ترک کر دیتا اور اب میرا ارادہ ہے کہ رفتہ رفتہ اسے ترک کر دوں'۔" اور درحقیقت وہ ہمیشہ ہفتہ میں دو روز گوشت سے پرہیز رکھتا تھا۔ اکبر کو عمدہ پھلوں کا بہت شوق تھا اس نے ایران اور توران کے کئی قسم کے میووں کی پیداوار کو ہندوستان میں رواج دیا۔ "تاتاری عمدہ خربوزے ہر ایک ڈھائی ڈھائی روپیہ میں، سمرقندی سیب ایک روپیہ کے دس کے حساب آئے۔" "بادشاہ کو خوشبو سے بے انتہا رغبت ہے اور محفل عطر آگیں کو ہمیشہ پھولوں، اور عود و عنبر کی خوشبو سے جو زریں و سیمیں مجمروں میں بخور کئے جاتے ہیں معطر رکھتا ہے۔" اس کا وفادار وزیر بہت سی خوشبوؤں کو ترکیب دینے کا ذکر کرتا ہے اس ملک کے پھولوں کی ایک بڑی لمبی فہرست دی ہے

---

[1] ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ سلطان محمود (۹۹۷ - ۱۰۳۰ء) کے اردلی میں ہمیشہ ایک خاص شخص میرے ساتھ رہتا تھا جس کا کام یہ تھا کہ بادشاہ کے استعمال کے لئے پانی کے برتنوں پر مہر لگاتا۔ مصنف

ہر قسم کا عطر و تیل اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

اور ان کے کھیلنے کا موسم بھی لکھا ہے۔" شادی:- بادشاہ ہر ایک کیلئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ ایک سے زیادہ شادی کرے وہ بوڑھی عورتوں کو جو جوانوں سے شادی کرتی ہیں سخت ملامت کرتا ہے بادشاہ کا خیال ہے کہ زن و شو کی رضامندی اور والدین کی اجازت شادی کے لئے نہایت ضروری باتیں ہیں۔" جب ہندوستان کے رسم و رواج اور اس خاص زمانہ کا خیال کرتے ہیں تو ہمیں اکبر کا یہ اصول بہت زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ہندوؤں میں صغرسنی کی شادی کے رواج سے اکبر کی یہ رائے اس مسئلہ میں قائم ہوگئی تھی۔" روزانہ کوئی قابل شخص بادشاہ کے حضور میں کتاب پڑھتا اور وہ شروع سے آخر تک سنتا ہے اور جہاں پر کتاب پڑھنے سے چھوڑ دی جاتی ہے بادشاہ تاریخ اور مہینہ تحریر کر دیتا ہے سائنس، یا تاریخ غرض علوم اور حکم کی شکل سے کوئی کتاب باقی ہوگی جو بادشاہ کو حضور میں نہ پڑھی گئی ہو۔ ان کے سننے سے بادشاہ کا جی گھبراتا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ مکرر سہ کرر نہایت شوق سے سنا کرتا ہے۔" اس کے حکم سے بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا اور دنیا کے ہر حصہ کی ایک تاریخ اس کے حکم سے[1] اخیر ہزار سال تک کی طیار کی گئی۔ اکبر نے پوپ روما سے توریت کی ایک جلد منگوائی اور جیسا کہ ابو الفضل لکھتا ہے اکبر کے پاس انجیل اور زبور بھی فارسی زبان میں موجود تھیں[2]۔" دنیا کے کل مہذب قوموں میں اسکول جاری ہیں لیکن ہندوستان خاص طور پر اپنی درسگاہوں کے لئے

[1] پیوستہ بکار فرمائی زبان دانان کتب ہندی و یونانی و عربی و فارسی بدیگر زبانہا گزارش یابد چنانچہ نسخۂ زیچ جدید میرزائی را بدیدہ وری امیر فتح اللہ شیرازی و ترجمانی راقم اقبالنامہ، کشن جوشی، گنگادہر، مہیش، مہانند از ہندی بفارسی آوردند۔ و کتاب مہابھارت از کتب قدیم ہندوستان باہتمام نقیب خان و مولانا عبد القادر بدایونی و شیخ سلطان تھانیسری از ہندی بفارسی آمد۔ قریب یک لک بیت است۔ آنحضرت نام داستان باستانی رزم نامہ نہادند و ہمین گروہ کتاب رامائن را کہ از تالیف قدیم ہند است در احوال رام چندر بتفصیل در ان و بسے از نوادر حکمت دران مندرج است بفارسی آوردند۔ و کتاب اتھربن را کہ بزعم این طایفہ یکے از کتب چہارگانہ الٰہی است حاجی ابراہیم سرہندی فارسی نمود۔ و لیلاوتی کہ در حساب گزیدہ اثریست از جلای ہندوستان ہمین برادران شیخ ابو الفضل فیضی۔ از ہندی نقاب برآوردہ طیلسان فارسی بر دوش گزاشت و کتاب تاجک در علم نجوم نسخہ ایست معتبر باشارت عالی مکمل خان گجراتی فارسی ساخت و واقعات حضرت گیتی ستانی کہ دستور العمل کارآگہی است میرزا خان خانان از ترکی بفارسی آورد۔ و تاریخ کشمیر کہ احوال چہار ہزار سالہ آن دیار است مولانا شاہ محمد شاہ آبادی از لغت کشمیر بزبان فارسی برگزارد۔ و معجم البلدان کہ در احوال بلاد و امصار کتابی است شگرف جمعی از زبان دانان چون ملا احمد تتہ و قاسم بیگ و شیخ منور و چندے دیگر از لغت تازی بہ فارسی بردند و ہربنس را کہ متضمن احوال کشن است مولانا شیری بفارسی نوشت۔ و کتاب کلیلہ و دمنہ کہ در حکمت عملی کارنامہ ایست غرابت بخش باآنکہ نصر اللہ متوفی و مولانا حسین واعظ بفارسی نقل کردہ بودند...... و قصہ عشق نلدمن کہ بزبان ہندی جگرگداز ارباب ذوق بود شیخ فیضی فیاضی در بحر لیلی مجنون بسلک نظم درکشید۔... چون خاطر مقدس شاہنشاہی بر خزانہ نقل آگاہی یافت احوال ہزار سال اخیر کہ در اقالیم سبعہ روی دادہ خبرشناسان تاریخ دان را اشارت عالی شد کہ در یکجا فراہم آرند نخست نقیب خان و جمعی دیگر آغاز نہادند...... و تاریخ الفی نام برنہادند۔ آئین اکبری مترجم

[2] ایک ایرانی شاعر بیان کرتا ہے کہ زبور در اصل حضرت داؤد علیہ السلام نے فارسی بول چال میں لکھا تھا (حالات سعدی از مسٹر رس) مصنف

عمدہ عطر ملنے کی جگہ جعفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگائیے

مشہور ہے " اور جیسا کہ سلطنت کے جملہ معاملات میں اکبر ترقی کا خیال رکھتا تھا اس نے اس میں بھی ترقی دی " اور جس تعلیم میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اب لوگ یہ سنکر تعجب کریں گے کہ اس کی تکمیل چند مہینوں میں ہو جاتی ہے "

ہر ایک طالب علم کے لئے لازمی مضامین یہ ہیں' اخلاق' حساب' فلاحت' مساحت' ہندسہ' نجوم' رمل' تدبیر منزل' سیاست مدن (منطق' ریاضی' طب) فلسفہ اور تاریخ۔ ان میں سے ہر ایک کو رفتہ رفتہ حاصل کرنا چاہیئے "

" بادشاہ تصویر کشی کو دل سے پسند کرتا ہے اور اپنی عہد حکومت کے آغاز ہی سے اس فن کی سرپرستی فرمائی ہے اس لیے یہ فن اپنی انتہائی حد تکمیل کو پہونچگیا ہے " ہر ہفتہ تصاویر اس کے حضور میں پیش کیجاتیں اور مصوروں کو انعام واکرام دیا جاتا۔ ایک فہرست ۱۰ بڑے ممتاز درباری مصوروں کی دی ہے۔ کتابیں بھی تصاویر سے مزین کیجاتی تھیں۔ ایک کتاب جو بارہ جلدوں میں تھی اس میں چودہ سو سے کم تصاویر نہ تھیں۔ ممتاز ملازمین سلطنت کی تصویریں کھنچوائی گئیں اور سب کی ایک جلد بندھوائی گئی جسمیں " رفتگاں کی حیات تازہ اور حاضراں کی زندگی جاوید موجود ہے "

اس کے درباری ملک الشعرا (برادر ابوالفضل) کے کتبخانہ میں چار ہزار چھ سو قلمی نسخے موجود تھے خود اکبر کا کتبخانہ اس سے کہیں زیادہ مکمل تھا۔ جہانگیر کے عہد سلطنت میں لاہور کے قصر شاہی کی دیواریں تصاویر اور شبیہوں سے قریب قریب بھر گئی تھیں سمرقند نگارخانہ تیموریہ کی دیواریں اسکی ہندوستانی لڑائیوں کی تصویروں سے آراستہ تھیں۔ اکبر کہتا ہے " ایسے لوگ زیادہ ہیں جو مصوری کو ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن میں ایسے لوگوں کو ناپسند کرتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا مصور خدا کے اقرار کرنے کا بالکل خاص ذریعہ رکھتا ہے کیونکہ ایک مصور جب کسی جاندار کی شبیہ بناتا ہے اور اس کے عضو عضو کو دکھتا ہے تو ضرور محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی تصویر میں روح نہیں پیدا کر سکتا اور اس لئے اس جاں آفریں خدا کے یقین کرنے پر مجبور ہوتا ہے "

۱۵۶۹ء میں اکبر نے شہر فتحپور سیکری کی بنیاد خواجہ سلیم چشتی کے خانقاہ کے قریب رکھی جنکے نام پر اس کے بڑے بیٹے (شاہزادہ سلیم جو بعد میں جہانگیر مشہور رہا) کا نام رکھا گیا۔ وہ جگہ درحقیقت موزوں نہ تھی اس لئے ۱۵۸۴ء میں شہر خالی چھوڑ دیا گیا۔ اس کے آثار قدیمہ آج بھی سیاحوں کو حیرت زدہ بنا دیتے ہیں۔ آگرہ کا عظیم الشان قلعہ بھی اکبر ہی نے تعمیر کرایا۔ اگر اس کے بعد دو اس کے جانشین تعمیر کے دلدادہ نہ پیدا ہو جاتے جیسا کہ جہانگیر اور خاصکر شاہجہان ہوئے تو اکبر تعمیرات کے لحاظ سے بھی بہت مشہور ہوتا اس کی اکثر عمارات میں متانت اور مضبوطی پائی جاتی ہے جس سے وہ آج تک اکبر کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتی ہیں۔

توپ خانہ اور اسلحہ سازی کے لیے خاص قواعد منضبط کئے گئے تھے اور اکبر خود ان میں سے ہر ایک کی آزمائش کیا کرتا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے صرف ایک بندوق سے ۱۰۰۰ مختلف جانوروں کا شکار کیا ہے کیونکہ مغل اور دیگر چیزوں کے وہ اپنے شکار کا بھی حساب وکتاب ٹھیک ٹھیک رکھتا تھا۔ بادشاہ کی ہر ایک بندوق کے مناسب نام ہوتے تھے۔ ابوالفضل نے ہندوستان کے ہاتھیوں کا بیان نہایت

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عمدہ عطر خرید کیجئے

دلچسپ پیرایہ میں لکھا ہے۔ لیکن اس کے انتخاب کرنے میں بہت زیادہ طوالت ہے اس کا یہ بیان قابل لحاظ ہے کہ اس جانور کی عمر طبعی "انسان کی طرح" ایک سو بیس سال کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اکبر سے پہلے پلے ہوئے ہاتھیوں کا بچہ لینا منحوس سمجھا جاتا تھا" مگر بادشاہ اس تعصبانہ یقین بلکہ وہم پرستی پر غالب آگیا"

"چونکہ بادشاہ کو گھوڑوں کا بہت زیادہ شوق ہے اس لئے ہمیشہ کثیر تعداد میں آیا کرتے ہیں یہانتک کہ آج اس کے طویلہ میں بارہ ہزار گھوڑے موجود ہیں" اصطبل میں ایک تنخواہ دار افسر مامور تھا جس کا کام یہ تھا کہ وہ رائی کے بیج کی دھونی دیا کرتا تھا تا کہ گھوڑے نظر بد سے محفوظ رہیں۔ سلطنت کے ضروری احکام کی تعمیل تیز رفتار سانڈنیوں کے ذریعہ سے کرائی جاتی تھی نہ کہ گھوڑوں کے ذریعے خاص راستوں پر چھ چھ میل کے فاصلہ پر ڈاک کا ہرکارہ متعین تھا اور ان کے علاوہ "محل شاہی پر بہت سے سانڈنی سوار حاضر رہتے ہیں انکا کام یہ تھا۔ کہ بجز اس کہ احکام شاہی صادر ہوں وہ انھیں ملک کے دور دراز حصوں میں پہونچانے کے لئے طیار رہیں"

جب بادشاہ بسرداری فوج کوچ کرتا ہے تو سڑک کی پیمائش نہایت احتیاط کیساتھ بانس کے لٹھوں سے کیجاتی ہے خاص لوگ محض اسی کام پر متعین ہیں۔ پیمائش کا حساب گزوں (ایک گز ۳۲ انچہ کا) اور کوسوں پر جو پانچہزار گز کا ہوتا ہے رکھا گیا تھا" ان مقررہ پیمائش کی پرانی زمانہ کی تعریف قابل ذکر ہے۔ تاہم اکبر کے بعض اصلاحات کی ضرورت کچھ سمجھ سکیں۔ ایک صوبہ کا کوس یا مقررہ پیمائش یہ تھی کہ "زیادہ سے زیادہ جتنی دور تک بیل کی معمولی آواز سنائی دے" اور دوسرے صوبہ میں "راہ گیر ایک سبز پتی توڑ لیتا ہے اور اسکو اپنے سر پر رکھکر سفر کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پتی خشک ہوجاتی ہے" مین میزان پیمائش کا ایک جز اسجگہ درج کرتا ہوں:-

۶ موی دم استر..... ایک جو	۶ جو...... ایک اصبع یا انچہ	۲۴ اصبع یا انچہ......... ایک گز

ہمارے قدیم حساب کا دانہ "جو" یہاں بھی موجود ہے۔ "بادشاہ کو علم موسیقی کا نہایت ذوق ہے اور اسکے اصول سے کماحقہ واقف ہے۔ یہ فن جسے عام طور پر لوگ نیند لانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں بادشاہ کو بہت محفوظ کرتا اور بیدار رکھتا ہے" (باقی آئندہ)

عبد السبحان ناظر

تین کتابیں

خلق عظیم - یعنی اخلاقی مضامین پر احادیث نبوی کا ایک مکمل مجموعہ مع ترجمہ اردو مجلد .... عہ

فتنۂ خلق قرآن - امام عبدالعزیز بن یحیٰی کی کتاب "الحیدہ" کا ترجمہ مسئلۂ قرآن کے متعلق ایک بے نظیر محاکمہ قیمت صرف ۱۰ر

شہاب کی سرگذشت قیمت صرف صہ علاوہ محصول ڈاک (نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ)

ہر قسم کا خوشبودار روغن صبغۃ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

علم فراست الید

یا

سمدرک

(بسلسلہ ما سبق)

گزشتہ دو قسطوں میں ہات کی ساخت، اونگلیوں کی صورت، پوروں کی حالت، اور ناخنوں کی کیفیت سے بحث ہو چکی ہے
اب ہم ہتیلی کی ساخت، اس کے مختلف ابھار یا فراز اور لکیروں کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔

ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ ہتیلی کے مختلف ابھاروں سے کیا مقصود ہے اور ان کو اصطلاح میں کس نام سے موسوم کرتے ہیں۔

مریخ کا ابھار مریخ کے دو ابھار ہیں ایک انگوٹھے کے پاس جسے مُثبت ابھار کہتے ہیں اور دوسرا چھنگلیا کے نیچے جو منفی ابھار کہلاتا ہے۔

مریخ کا مثبت ابھار اگر کافی پُر گوشت ہوگا تو ایسا شخص (علی الخصوص وہ جو ۲۱ مارچ اور ۲۱ اپریل کے درمیان پیدا ہوا ہے) سپاہیانہ فطرت رکھتا ہوگا اور جس پیشہ کو بھی وہ اختیار کرے گا اس میں سپاہیانہ انداز یقیناً قائم رہیگا۔ ایسے لوگ ہر لحاظ سے محارب ہوتے ہیں اور معمولی ذہانت سے کام لینے کے بعد بھی اثر و اقتدار پیدا کر لیتے ہیں۔ چونکہ عزم و ارادہ میں ان کے استقلال ہوتا ہے اس لئے تنقید کی برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ اپنی ہی ناپسند کئے

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر حنا نہایت نفیس ہوتا ہے

ہوئے راستہ کو صحیح سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص انھیں اس راہ سے ہٹانا چاہتا ہے تو اس سے برہم ہوجاتے ہیں خواہ وہ دوست ہی کیوں نہ ہو
ایسے لوگ ذرا سی بات پر آمادۂ جنگ ہوجاتے ہیں، لیکن یہ جذبہ جلد فرو جاتا ہے اور پھر انھیں افسوس ہوتا ہے۔ ان کی فطرت بیشک اچھی ہوتی ہے اور فیاضانہ میلان بھی ہوتا ہے، لیکن چونکہ ضبطِ نفس کا مادہ نہیں ہوتا اس لئے اگر دماغ کی لکیر اچھی نہ ہو تو خطرات و مشکلات میں پڑنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔ معاملاتِ محبت اور گھریلو زندگی میں اکثر بدقسمت واقع ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ صحت کے لحاظ سے اوائلِ عمر میں بخار اور خون کے امراض کا زیادہ شکار ہوتے ہیں، جوانی میں دردِ سر، صرع، اور دماغ میں پانی پیدا ہوجانے کا زیادہ احتمال ہوتا ہے، دانتوں کی بیماریاں بھی انھیں زیادہ ہوتی ہیں، بڑھاپے میں سکتہ، دورانِ سر، اور نرمیِ دماغ کی بیماریاں زیادہ حملہ کرتی ہیں علی الخصوص اسوقت جب دماغ کی لکیر زنجیردار ہو (اس کی مفصل کیفیت آگے آئے گی)
ایسے لوگوں کو سکونِ دماغ کی زیادہ ضرورت ہے اور انھیں مسکر اشیاء سے کلی احتراز کرنا چاہیے جن کی طرف وہ فطرتاً زیادہ راغب ہوتے ہیں ان کو زیادہ سونا چاہیئے اور کھلی ہوئی ہوا میں زندگی بسر کرنی چاہیے۔

مریخ کا منفی ابھار بہت زیادہ اہم ہے خاصکر اس شخص کے لئے جو ۲۱ اکتوبر اور ۲۱ نومبر کے درمیان پیدا ہوا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ ابھار زیادہ نمایاں ہوتا ہے وہ اپنی دماغی قوت کے لحاظ سے زیادہ ممتاز ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جسمانی جنگ کو پسند نہیں کرتے بلکہ دماغی وعقلی جنگ کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اپنے ارادہ میں یہ بہت مضبوط ہوتے ہیں لیکن اپنی راے کا اظہار نہیں کرتے۔ ایسے لوگ لیڈر ہونے سے زیادہ مہتمم اور ناظم ہونے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر ایسے لوگ اچھے تعلیم یافتہ نہ ہوں تو یہ قوت مکاری اور چالاکی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ ایسے لوگوں میں ایک پوشیدہ قوتِ تسخیر بھی ہوتی ہے اور خفیہ انجمنوں میں شامل ہونے اور ان کے قائم کرنے کا زیادہ شوق ہوتا ہے اگر یہ کبھی علمی تحقیقات میں مصروف ہوجاتے ہیں تو ملک وقوم کے لئے بہت مفید ثابت ہوتے ہیں ان میں ہر علم وفن کے سیکھنے کا مادہ پایا جاتا ہے اور اگر دماغی لکیر ان کی اچھی ہو تو پھر کوئی دماغی کام ایسا نہیں ہے جسمیں وہ کامیاب نہ ہوسکیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایسے لوگ بہت کم اُن کاموں کو اختیار کرتے ہیں جن کی ان کو تعلیم وتربیت ہوئی ہے اور دورانِ زندگی میں مختلف مشغلے اور پیشے اختیار کرسکتے ہیں۔ اپنے ماحول سے متاثر ہونا بھی ان کی خصوصیت خاصہ ہے۔ ابتدائی عمر میں ایسے لوگ دبلے پتلے ہوتے ہیں، لیکن جوانی کے بعد فربہی کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔ اعضاء جنسی ان کے کمزور ہوتے ہیں، اور جوانی کے بعد فربہی کی طرف مائل ہوجاتے ہیں اعضاء جنسی ان کے کمزور ہوتے ہیں اور گردہ مثانہ بھی اچھی حالت میں نہیں رہتا۔ ضعیفی میں معدہ اور اعضاء ہضم ضعیف ہوجاتے ہیں۔

مشتری کا ابھار

پہلی انگلی کے نیچے مشتری کا ابھار کہلاتا ہے یہ ابھار اگر بڑا ہوگا تو حکومت واقتدار، رہنمائی وسرداری کی اہلیت کو ظاہر کرے گا بشرطیکہ دماغی لکیر صاف اور لمبی ہو اگر یہ لکیر خراب ہوگی تو مشتری کا

عطر حنا اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا نفیس ہوتا ہے

بڑا ابھار غرور تکبر اور خود رائی کو ظاہر کرے گا۔ ایک اچھی لکیروں والے ہات میں مشتری کا نمایاں ابھار اس امر کی روشن دلیل ہے کہ وہ عزم و ارادہ اور سیرت کی مضبوطی سے ضرور کامیاب ہوگا۔

یہ ابھار مثبت کہلائے گا اگر کوئی شخص ۲۱ نومبر اور ۲۰ دسمبر کے درمیان پیدا ہوا ہے اس صورت میں انسان قدرتاً ذی حوصلہ، نڈر، صحیح اصول اور مستقل مزاج ہوگا لیکن چونکہ وہ ضرورت سے زیادہ صفائی اور سادگی سے اپنا کام کریگا اس لئے لوگ اس کے دشمن بھی ہو جائیں گے۔ چونکہ ایسا انسان عموماً بے انتہا سچا ہوتا ہے اس لئے مکر و فریب سے اسے سخت نفرت ہوتی ہے اور دھوکا دینے والوں کو وہ نہایت بیدردی سے بے نقاب کر دیتا ہے۔ خواہ اس میں خود اسی کا نقصان کیوں نہ ہو۔ کاروبار میں ان کے حوصلے بہت بلند ہوتے ہیں اور تمام تنظیمی معاملات و مسائل میں وہ اقتدار حاصل کر لیتے ہیں مگر ایسے لوگ سیاست داں نہیں ہوسکتے اور اپنی شاہراہ عمل پیدا کرنے میں بہت زیادہ آزاد ہوتے ہیں۔ اس ابھار میں ایک عیب بھی ہے اور وہ یہ کہ ہر معاملہ میں وہ انتہا کو پہونچنا چاہتا ہے اور اس کے لئے اپنی ساری قوت صرف کر کے پھر دوسری طرف رخ کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کے ہات میں یہ ابھار بہت زیادہ نمایاں ہو اور اسی کے ساتھ دماغی لکیر ہتھیلی پر سیدھی چلی گئی ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ کوئی بلند مرتبہ ایسا نہیں ہے جس تک وہ نہیں پہونچ سکتا۔ ایسے لوگ وجع مفاصل، حلق و زبان کے آماس پھوڑے پھنسی اور سرطان میں آسانی سے مبتلا ہوسکتے ہیں

مشتری کا یہ ابھار اس وقت منفی سمجھا جائے گا جب کوئی شخص ۱۹ فروری اور ۲۰ مارچ کے درمیان پیدا ہوا ہے اس صورت میں حوصلہ کا رُخ، مادی دنیا سے بدل کر دماغی کیفیت کی طرف مائل ہو جائے گا۔ یعنی ایسا شخص دماغی ترقی کرنے کا اہل زیادہ ہوگا اور تمام علوم (علی الخصوص تاریخ و جغرافیہ) میں آسانی سے ماہر ہوسکے گا۔ لیکن اسی کے ساتھ ایک عیب بھی ہے اور وہ یہ کہ ایسے لوگ ضرورت سے زیادہ حساس ہوتے ہیں اور اعتماد نفس کم رکھتے ہیں اس لئے ان کو اپنے مقاصد میں مشکل سے کامیابی ہوتی ہے۔ ایسے شخص پبلک میں آنے سے گریز کرتے ہیں اور دور سے دیکھا کرتے ہیں کہ جو فخر و امتیاز انھیں حاصل کرنا چاہئے تھا وہ دوسروں کو ملگیا۔ اکثر لٹریری آدمیوں اور صناعوں کے ہات میں منفی ابھار مشتری کا پایا جاتا ہے ایسے لوگ جگر کی بیماریوں میں اکثر مبتلا رہتے ہیں۔

زحل کا ابھار

درمیانی انگلی کے نیچے کا ابھار "زحل کا ابھار" کہلاتا ہے۔ خلوت پسندی، غور و تامل، عزم خاموش، سنجیدہ امور کا مطالعہ، قسمت پر اعتماد اس کی خاص خصوصیت ہے۔ اگر کسی شخص میں یہ ابھار بالکل نہ ہوگا تو وہ زندگی کو لاعبانہ انداز سے دیکھے گا اور اگر بہت زیادہ ابھار ہوا تو مذکورۂ بالا تمام خصوصیات بہت زیادہ سختی کے ساتھ پائی جائیں گی۔ اگر کوئی شخص مابین ۲۱ دسمبر و ۲۰ جنوری کو پیدا ہوا ہے تو یہ ابھار مثبت کہلائے گا۔ اس زمانہ کے اندر پیدا ہونے والے لوگ نہایت مضبوط ارادہ و ذہنیت کے ہوتے ہیں لیکن ہمیشہ ایسا محسوس کرتے ہیں کہ زندگی میں ان کا کوئی ساتھی نہیں ہے

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے جو چیز خلاف فرمائش پہونچے فوراً واپس کر کے اپنی پوری قیمت یا بدلے میں دوسری چیز منگا لیجئے

اور وہ تنہا عمر بسر کر رہے ہیں۔ ایسے لوگ آزادی کو بہت پسند کرتے ہیں اور کسی دوسرے کے زیر اثر رہنا پسند نہیں کرتے۔ مہربانی و ہمدردی بھی ان میں بہت ہوتی ہے ان کی فطرت پرستارانہ ہوتی ہے گو وہ بظاہر مذہبی نظر نہ آتے ہوں اور ملک و قوم کے لئے وہ ہر ممکن ایثار کے لئے طیار ہو جاتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ اس کا کوئی اجر چاہیں۔ ایسے لوگ زندگی کی ذمہ داریوں کو نہایت سختی کے ساتھ محسوس کرتے ہیں جس کا نتیجہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آخر میں مایوس و غمگین ہو جاتے ہیں یا کنج عزلت اختیار کر لیتے ہیں تمام معاملات میں وہ بہت گہرے سوچنے والے ہوتے ہیں لیکن دوسروں کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے۔

ایسے آدمی گٹھیا ہات پاؤں کے اماس، جگر و گردہ کی خرابی، دانت اور کان کی بیماری میں زیادہ مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ۱۲ جنوری اور ۱۸ فروری کے مابین پیدا ہوا ہے تو یہ ابھار منفی کہلائیگا۔ ایسے لوگوں کے خصوصیات بھی وہی ہوتی ہیں جو ابھی بیان کی گئیں، لیکن فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کے اثرات کا اثر زیادہ تر دماغ سے ہوتا ہے۔ یعنی اگر مثبت ابھار والا اپنی زندگی کو تنہا محسوس کرے گا تو یہ اپنے خیالات و تصورات کے لحاظ سے دنیا کو بیگانہ خیال کرے گا۔ ایسے لوگ مکر و فریب سے سخت نفرت کرتے ہیں اور اس صورت میں ان کی تلخی دیر بھی نہایت سخت ہوتی ہے یہ نہایت اچھے دوست ہوتے ہیں اور اپنے احباب کے لئے ہر ایثار و قربانی کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کسی نے دھوکا دیا ہے تو پھر انتقام کے لئے بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، برخلاف مثبت ابھار والے کے یہ جلسوں اور عام صحبتوں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور کھیل تماشے کے بھی شایق ہوتے ہیں۔

ایسے لوگ اعضاء ہضم کی بیماری میں اکثر مبتلا رہتے ہیں اور معمولی دوائیں اثر نہیں کرتیں۔ چونکہ دوران خون ایسے لوگوں کا ضعیف ہوتا ہے، اس لئے ان کے ہات پاؤں سرد رہتے ہیں، دانت کمزور ہوتے ہیں۔ الغرض ان کی صحت اچھی نہیں ہوتی تاہم قوت مقابلہ ان میں زبردست ہوتی ہے اور عزم بہت استوار ہوتا ہے۔

شمس کا ابھار تیسری انگلی کے نیچے کا ابھار شمس یا آفتاب کا ابھار کہلاتا ہے اسی کو اپالو کا ابھار کہتے ہیں۔ اور یہ حصہ کافی ابھرا ہوا ہو تو اس سے شان و شوکت کی خواہش اپنے ہمعصر لوگوں سے بڑھ جانے کی تمنا ظاہر ہوتی ہے۔ جمالیات کا شوق بھی اس سے ظاہر ہوتا ہے ایسے لوگ اگر عملی زندگی میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو خوبصورت مکانات بناتے ہیں، جمیل اشیاء فراہم کرتے ہیں اور نمود و نمایش کی زندگی جسمیں جمالی پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے بسر کرتے ہیں اور ایسے لوگ فیاض ہوتے ہیں اور اس زندگی کے شایق۔ اگر کوئی شخص ۲۱ جولائی اور ۲۰ اگست کے درمیان پیدا ہوا ہے تو یہ ابھار مثبت کہلائے گا۔ ایسے لوگ اپنی سیرت اور تشخص ذاتی کے لحاظ سے با اثر ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں ہمدردی بھی ہوتی ہے لیکن بسا اوقات وہ اس کا اظہار نہیں کرتے کیونکہ دوسروں سے ان کے فرایض پورے کرانے کا احساس ایسے

مشکی زندہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ملتا ہے

لوگوں میں بہت قوی ہوتا ہے اور اس کے پورا کرنے کے لئے وہ اپنے جذبہ ہمدردی کو پوشیدہ رکھتے ہیں ضعیف سیرت اور چھوٹے لوگوں سے انھیں بالکل ہمدردی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات ایسے لوگ اپنے بچوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں اگر وہ بُرا راستہ اختیار کرتے ہیں اس قسم کے لوگ محبت ونفرت میں انتہائی درجہ اختیار کرتے ہیں۔ خود دار بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں اور کسی سے سوال کرنا بہت مکروہ فعل جانتے ہیں، غیر معمولی طور پر حساس ہوتے ہیں اور نہایت ادنیٰ بات ان کے احساس کو سخت صدمہ پہونچا جاتی ہے۔ صاف گو اور تیز مزاج ہونے کی وجہ سے غصہ بھی زیادہ آتا ہے اور اس لئے دشمن بھی زیادہ پیدا کر لیتے ہیں۔ اختلاج قلب کی شکایت ان کو اکثر پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی شخص ۲۱ر جنوری اور ۱۸ر فروری کے درمیان پیدا ہوا ہے تو یہ ابھار منفی کہلائے گا اور ایسی صورت میں ملک و قوم کی خیر خواہی کا جذبہ زیادہ قوی ہو جاتا ہے اور ضعیف وغریب کی خدمت میں وہ بڑی قربانی کر سکتے ہیں۔ ان کی دولت و کامیابی اور ان کی ترقی سب دوسروں کے کام آتی ہے۔ اور ان میں خطاب کا بھی اچھا مادہ پایا جاتا ہے۔ کاروباری تجارت میں بھی ان کا ذہن رسا ہوتا ہے لیکن اس سے بھی دوسرے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ معدہ کی کمزوری، دوران خون کا ضعف، جگر اور گردہ کی خرابی یہ وہ بیماریاں ہیں جنہیں اکثر لوگ زیادہ مبتلا ہوتے ہیں نہایت خشک آب وہوا ان کی صحت کے لئے بہت مفید ہوتی ہے۔

عطارد کا ابھار

چھنگلیا کے نیچے حصہ کا ابھار "عطارد کا ابھار" کہلاتا ہے۔ اچھے ہات میں یہ ابھار اگر نمایاں ہوتا ہے تو ذہن کی رسائی، قوت فہم و تدبر ظاہر ہوتی ہے برے ہات میں یہ ابھار بری علامت ہے۔ اور عدم استقلال، دماغی انتشار اور عصبیت کو ظاہر کرتا ہے اس ابھار کو ہمیشہ دماغی لکیر کے ساتھ دیکھنا چاہئے اگر کوئی شخص ۲۱ر مئی اور ۲۰ جون کے درمیان پیدا ہوا ہے تو یہ ابھار مثبت کہلائے گا اور اس صورت میں عدم استقلال ظاہر ہوگا ایسے لوگ فوراً اپنی تدابیر کو بدل دیتے ہیں اور ان کی فطرت کا سمجھنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ ایک ہی وقت میں ضبط و غصہ، محبت و نفرت ایسے لوگوں کا خاصہ ہے۔ ان میں قوت تنقید بڑی زبردست ہوتی ہے اور چھوٹی سی چھوٹی غلطی سے بھی ان کی نگاہ نہیں چوکتی اور یہ اپنے خیالات کا اظہار زیادہ تر طعن و تشنیع کے رنگ میں کرتے ہیں۔ مقابلہ یا مسابقت میں اپنے مخالفین سے ہمیشہ بڑھ جاتے ہیں، ڈپلومیسی ان کو خوب آتی ہے اور گفتگو اچھی کرتے ہیں ایسے لوگ اچھا سوچنے والے اور خوش صحبت ہوتے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی یہ حالت کل بھی باقی رہیگی یا نہیں۔ وہ دماغی کام جنہیں صرف ذہانت کی ضرورت ہے ان سے خوب بن آتا ہے اسی لئے وہ مقرر، ایکٹر، بیرسٹر، اچھے ہو سکتے ہیں، لیکن جن کاموں میں بہت زیادہ غور و تامل، صبر و استقلال کی ضرورت ان میں انھیں کامیابی کم ہوتی ہے ایسے لوگ اعصابی امراض میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ۲۱ر اگست اور ۲۰ ستمبر کے درمیان پیدا ہوا ہے تو یہ ابھار منفی کہلائے گا اس صورت میں مذکورہ بالا خصوصیا

اگر آپ کو عمدہ عطر درکار ہے تو آج ہی ایک کارڈ کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کو لکھئے

کے علاوہ استقلال بھی پیدا ہوجائے گا اور مادی معاملات میں سوجھ بوجھ بہت بڑھ جائیگی۔ اس زمانہ میں پیدا ہونے والی عورتوں کی صورت عجیب ہوتی ہے۔ وہ یا تو صد درجہ کی پاکباز ہوتی ہیں یا عصمت فروش ایسے لوگوں کی بیماری زیادہ تر وہم سے متعلق ہوتی ہے اگر انھیں وہم پیدا ہوگیا ہے کہ وہ بیمار ہیں، تو پھر وہ بیمار ہی رہینگے اور مستقل علاج کرنے کے بجائے اشتہاری دواؤں کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ اگر وہ ڈاکٹر کے پاس جائیں گے تو بغیر نسخہ لکھائے واپس نہ آئینگے ذراسی شکایت بھی پیدا ہوجائیگی تو ہر شخص سے اس کا ذکر کرینگے۔

قمر یا چاند کا ابھار

یہ ابھار ہات کے جس حصہ میں ہوتا ہے اس کا حال گزشتہ نقشے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اس ابھار کا تعلق انسان کی قوت خیال سے ہے یعنی جس شخص کے ہات میں یہ ہو زیادہ تربیت یافتہ ہوتا ہے وہ شاعری، موسیقی، سیاحت اور فنون لطیفہ کا شایق ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ۲۱ر جون اور ۲۰ر جولائی کے درمیان پیدا ہوا ہے تو یہ ابھار مثبت کہلائے گا ایسی صورت میں قوت خیال بہت بڑھی ہوئی ہوگی اور اختراع وایجاد کا مادہ پایا جائے گا۔ ایسے لوگ کاروبار کی طرف مائل ہوجاتے ہیں تو اپنی ذہانت اور سوجھ بوجھ کی وجہ سے بہت کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ جدت پسندی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی اور ہمیشہ اُپج کی لیتے ہیں اس لئے ان کی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز بھی ہوتے ہیں وہ قسمت کے قائل ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے عرصہ تک مضمحل اور ملول نہیں رہ سکتے بڑے بڑے مخترعین صناع، موسیقی داں اور شاعر ایسے ہوئے ہیں جن کے ہات میں یہ ابھار خاص طور پر نمایاں تھا۔ ایسے لوگ پیچش، امراض معدہ وغیرہ میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر یہ ابھار چپٹا ہو یا کسی ایسے شخص کے ہات میں ہو جو ۲۱ر جنوری اور ۲۰ر فروری کے درمیان پیدا ہوا ہے تو اسے منفی کہیں گے اس صورت میں دماغی حالت بہت صحیح ثابت ہوگی اور قوت نظم و نسق بھی اچھی ہوگی ایسے لوگ بلند خیال اور ذی حوصلہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے دشمن بھی بہت ہوجاتے ہیں۔ مقرر بھی اچھے ہوتے ہیں اور مذہب کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے ایسے لوگوں کے لئے بحری سفر اندیشہ ناک ہے۔

زہرہ کا ابھار

انگوٹھے کے نچلے حصہ کا ابھار "زہرہ کا ابھار" کہلاتا ہے اگر یہ ابھار زیادہ نمایاں اور وسیع ہوگا تو معلوم ہوگا کہ ایسا شخص بہت محبت کرنے والا اور حسن کا پرستار ہے، شاعری اور موسیقی دانوں کے ہات میں اکثر یہ ابھار نمایاں ہوتا ہے ایسے لوگوں کی صحت بھی اچھی ہوتی ہے اور ان کے معاملات محبت میں بہت زیادہ جوش ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ۲۰ر اپریل اور ۲۰ مئی کے درمیان پیدا ہوا ہو یا اگر کسی کے ہات کا یہ حصہ بہت ابھرا ہوا ہو تو اس ابھار کو مثبت کہیں گے ایسے لوگ بہت ذی اقتدار اور بااثر ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ضدی اور جابر بھی ہوتے ہیں۔ فیاض اور مہمان نوازی ان کی خصوصیت خاصہ ہوتی ہے اور ضیافت وغیرہ میں خاص اہتمام کرتے ہیں۔ ان کا لباس بھی اچھا ہوتا ہے

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

وہ اپنے کو حقیقت سے زیادہ خوشحال اور دولتمند ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور ایک حد تک اچھے ہوتے ہیں مزاج تیز ہوتا ہے اور غصہ ناقابل برداشت لیکن یہ حالت فرو ہونے کے بعد انھیں افسوس بھی ہوتا ہے۔ ایسے لوگ ماحول سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور ناموافق حالات سے بہت جلد متاثر ہو کر حزین و ملول ہو جاتے ہیں ان میں رشک کا مادہ بھی بہت ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے ناخن چھوٹے اور گول ہوتے ہیں اس لئے حلق اور ناک کے امراض میں زیادہ مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سر اور کان کا درد بھی انھیں زیادہ ستاتا ہے۔

اگر کوئی شخص ۲۱ ستمبر اور ۲۰ اکتوبر کے درمیان پیدا ہوا ہے تو یہ ابھار منفی کہلائیگا اور اس صورت میں اس کے تمام تاثرات و حالات جسم سے زیادہ دماغ سے متعلق ہوں گے، یعنی ایسے لوگوں کی محبت زیادہ تر روحانی پہلو لئے ہو گی معاملات الفت میں پس و پیش کرنے والے ہوں گے۔ ایسے لوگ ڈاکٹر، جج، اور وکیل اچھے ہو سکتے ہیں۔ اعصاب ان کے عموماً کمزور ہوتے ہیں۔

باقی .... باقی

تصویر زیب النسا بیگم

یہ تصویر صنعت و نقاشی کا ایک نادر نمونہ ہے رنگین آرٹ پیپر پر طیار کرائی گئی ہے یہ وہی تصویر ہے جس کو حکومت ہند نے نہایت گراں قیمت پر خرید کر کے برٹش میوزیم کو دیا ہے نہایت عجیب چیز ہے قیمت مع محصول ۸/

مینیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

تصویر رقاصہ

بنگال کے مشہور مصور مسٹر مدار کے قلم کی بہترین صناعی ہے یہ تصویر بھی رنگین آرٹ پیپر پر طبع کرائی گئی ہے اور یہ تصویر نگار ماہ مارچ میں شائع ہو چکی ہے آپ دیکھیں گے تو یقیناً خوش ہوں گے

قیمت فی کاپی علاوہ محصول ۴/

مینیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

ضرورت ہے

اگر آپ کو خیمے دریان اور چرمی سامان کی ضرورت ہو تو فوراً ہمیں ایک کارڈ لکھئے ہمارے یہاں ہر قسم کا سامان نہایت ارزاں ملتا ہے فہرست منگا کر ملاحظہ فرمایئے ہمارا کارخانہ صداقت کی وجہ سے بہت مشہور ہے

محمد حسین اینڈ کو ٹنٹ مرچنٹ فتح گڑھ یو۔پی

عطر منگانے کا پتہ: صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر خرید کیجئے

ابن یمین فریومدی

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کا دور اہل فرس کی شاعری میں ایک ایسا زبردست اور قابل یادگار دور تھا جس کی نظیر دوسری صدیوں میں نہیں ملتی ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک مذاق شاعری بدل کر یکسر مذہبی رنگ اختیار کر چکا تھا۔ اور تصوف و اخلاق کے نکات ادا کرنے کے واسطے مخصوص ہوگیا تھا چنانچہ جزئیات سے قطع نظر کر کے جب اس زمانہ کے مایۂ ناز شعرا پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی جاتی ہے تو اکثر مشاہیر شعرا اسی حلقۂ تصوف سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ شیخ فریدالدین، مولانا جلال الدین رومی، شیخ سعدی شیرازی، شیخ اوحدی، شیخ فخرالدین عراقی، خواجہ ہمام تبریزی، بدر جاجری، حسن سفرائنی، امیر سید حسینی وغیرہ سب قریب العہد اور اسی ایک دور کے شاعر تھے مثنوی مولانا روم گلستان بوستان سعدی منطق الطیر، وسرالذات میلاج شیخ عطار زادالمسافرین سید حسینی وغیرہ سب اسی زمانہ کی یادگار اور مایۂ ناز تصانیف ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ تصوف کی شاعری کا دور کئی صدی تک اسی آب وتاب اور رونق کے ساتھ قائم رہا۔

مندرجہ بالا کاملین کے نام کے ساتھ ہی ساتھ ابن یمین کا نام بھی قابل ذکر ہے جسکو زمانہ نے اس قدر شہرت کا موقع نہیں دیا جس قدر دوسرے باکمالوں کو۔ اور اگر مشہور کیا بھی تو اس صورت سے کہ آج ابن یمین کو صرف قطعات کا استاد سمجھتے ہیں مگر یہ ایک گہری غلطی ہے جسکے ازالہ کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کی شاعری پر ایک مبسوط نظر ڈالی جائے

ابن یمین ان کی کنیت تھی اور فخرالدین نام تھا۔ بعض کے نزدیک پورا نام فخرالدین محمود تھا اور بعض کے نزدیک محمود طغرائی طغرائی کوئی خاندانی اعزازی لقب ہے جو ان کے والد امیر یمین الدین کے نام کے ساتھ بھی لکھا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنی کنیت ہی کو تخلص قرار دیا جو غالباً ان کے والد کے ایما سے ہوا تھا

امیر یمین الدین اصل میں ترک نژاد تھے اور غالباً شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اسیوجہ سے ان کے نام کے ساتھ امیر کا لفظ بھی لکھا جاتا ہے، اور مصنف تذکرہ آتشکدہ آزر نے ان کا ذکر امیروں اور شہزادوں کیساتھ کیا ہے۔ کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ امیر یمین الدین طغرائی کو اپنا اصلی وطن چھوڑ کر خراسان میں آنا پڑا۔ اور فریومد میں قیام کر کے یہیں سلسلۂ زراعت شروع کر دیا یہ زمانہ اولجایتو سلطان محمد خدا بندہ کا تھا یہ بادشاہ چونکہ خود صاحب کمال تھا اس لئے اس کا دربار علما و فضلا اور متفرق فنون کے کاملین سے بھرا رہتا تھا۔ اس کے عمال اکثر باکمالوں کے مجلس میں رہتے تھے اور جونہی ان کو کسی قابل الفن کے آنے کی اطلاع ہوتی

ہر قسم کا عطر و تیل کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خریدیے

وہ فوراً کسی نہ کسی طرح اسکو دربار تک پہونچاتے تھے جب امیر یمین الدین نے فریومد میں مستقل سکونت اختیار کرلی تو رفتہ رفتہ ان کے علم وفضل کا چرچا ہوا اور ان کی شہرت علاءالدین محمد کے کانوں تک بھی پہونچی جو اسوقت وزیر السلطنت اور تمام نظم ونسق کا مالک تھا۔ اس نے امیر یمین الدین کی ان کے مرتبہ کے موافق قدر کی اور یہ علاءالدین محمد کے مصاحبین یا مداحین میں شامل ہوکر صاحب املاک وجائداد ہوگئے۔ اس بات کے دوبارہ اظہار کی ضرورت بہت کم ہے کہ یمین الدین کوئی معمولی شاعر نہ تھے بلکہ فضلائے زمانہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کو فریومد میں رہتے ہوئے کچھ زمانہ گزرا تھا کہ محمود پیدا ہوئے اور اسی اعلیٰ پیمانہ پر ان کی تربیت وتعلیم ہوئی جیسی ہونی چاہئے تھی۔

ان کے اکثر شعر اسبات کے گواہ ہیں کہ ان کو زبان عربی پر اتنی ہی قدرت حاصل تھی جتنی ایک کامل الفن ادیب کو ہونی چاہئے یہ ظاہر ہے کہ ایک غیر زبان میں شعر وہی کہہ سکتا ہے جو اسمیں اچھی طرح مہارت رکھتا ہو۔

تعلیم وتربیت کے بعد ابن یمین کی شاعری کا زمانہ آتا ہے۔ شعروشاعری کو جس نظر سے آج دیکھا جاتا ہے اس سے دھوکا کھانا سخت غلطی ہے اسوقت شاعری کو تفنن طبع نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ وہ شاعر کے لئے ایک حد تک ذریعہ معاش بھی تھا اور دربار اور اہل دربار کے اغراض اس سے وابستہ رہتے تھے۔

ابن یمین نے اپنی آبائی عزت کو نظر انداز نہیں کیا اور شعر کی طرف توجہ کی۔ ان کے والد نے اصلاح شروع کی اور جوش محبت سے جس طرح میں خود غزل کہتا اسی پر صاحبزادہ کو بھی طبع آزمائی کا موقع دیتے تھے انھوں نے روم سے جو ابن یمین کے نام تحریریں بھیجی ہیں وہ کافی شہرت حاصل کرچکی ہیں۔ چنانچہ تذکرہ دولت شاہ کا مصنف لکھتا ہے "ومکاتیب نظم ونثر امیر یمین الدین بفرزندش امیر محمود از روم وخراسان نوشتہ وجواب ابن یمین پدر را شہرتے دارد دریں تذکرہ تحمل آن نیارد" نمونتاً ایک رباعی درج ہے۔

دارم زعتاب فلک بوقلموں — وزگردش روزگار خس پرور دول
چشمے چو کنارۂ صراحی ہمہ اشک — جانے چو میانہ پیالہ ہمہ خوں

ابن یمین نے جواب میں برجستہ یہ رباعی لکھی۔

دارم زجفائے فلک آئینہ گوں — پر آہ دلے کہ سنگ ازو گردد خوں
روزے بہزار غم بشب مے آرم — تا خود فلک از پردہ چہ آرد بیروں

یہاں ان دونوں رباعیوں کا موازنہ تو ایک مہمل سی بات ہے کیونکہ امیر یمین الدین کی رباعی کا تیسرا چوتھا مصرع "ان کڑی کمان کا تیر ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رباعی کے کہنے تک بیٹے کے بازوؤں میں اتنا دم نہیں آیا تھا کہ باپ کی کڑی کما

مشکی زردہ صفدر علی محمد علی تاجر عطر سے بہتر دوسری جگہ نہیں ملتا

کو پہنچ سکتا مگر اس مطارحہ اور مشاعرہ کا آگے چلکر نہایت عمدہ اثر پڑا اور ابن یمین کے لئے یہ ایک ایسی نیک فال بنا کہ لوگوں نے ایک وقت میں ان کو بھی ان کے باپ کی برابر سمجھا اور موازنہ کیا۔ بعض نے یمین الدین کو اس زمانہ میں ابن یمین سے اچھا شمار کیا تھا چنانچہ دولت شاہ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے۔

"بعضے از فضلاء سخن امیر یمین الدین را تفضل فرمودہ اند بر سخن امیر محمود و ظاہر امکابرہ است" امیر یمین الدین کا ۲۴ؔ۷ھ میں انتقال ہوا اور فریومد میں مدفون ہوئے

ابن یمین کے قطعات اور غزلیں ضرورت سے زیادہ مشہور ہوئیں۔ دولت شاہ نے لکھا ہے " و الیوم سخن اودر ایران و توران مے خوانند"

ابن یمین نہایت ہی قابل اور نیک اور با اخلاق آدمی تھے مولف تذکرہ آتشکدۂ آذر اون کے لئے یہ الفاظ استعمال کرتا ہے "از فضلائے عہد خود بود صاحب اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ۔ ہموارہ فقہا و فضلار ا بمہانی خواندے و عند الاعزہ عزیز بودی" دولت شاہ نے اپنے تذکرہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ " از فضلائے عہد خود بودہ اخلاق حمیدہ و سیرتے پسندیدہ داشتہ و فضلا و فقرار ا ضیافت کردے و اکابر او را حرمتے زیادہ از وصف مید اشتند اس کے بعد خود بخود یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ابن یمین کی شاعری کی ابتدا اخلاق سے ہوئی جس کا سبب تو یہ تھا کہ ان کی شاعری نے ان کے والد کی نگرانی میں نشو و نما پائی وہ خود ایک بزرگ فاضل آدمی تھے ان کے یہاں اخلاق و تصوف موجود تھا۔ لہذا ان کے پیرو اور خصوصیت سے ابن یمین ایسے پسر کو ان کے نقش قدم پر چلنا پڑا۔ اور اخلاقی رنگ سے اونکی شاعری کا آغاز ہوا۔ دوسری وجہ یہ کہ وہ خود نہایت ہی با اخلاق اور نیک صفت انسان تھے۔ الغرض ابن یمین کی شاعری انھیں مہذب حدود کے اندر شروع ہوئی جنھیں وہ اپنے باپ کے سامنے پیش کر سکتے تھے اور ان کی شاعری اس عہد سے گزر رہی تھی جسمیں سعدی۔ فرید الدین عطار۔ مولانا جلال الدین وغیرہ لوگوں کو قبولیت عام کی سند مل چکی تھی۔ ضرورت کے اقتضا سے انھوں نے سربداروں کی بھی مداحی کی۔ سربداروں کے متعلق یہاں اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ یہ ایک نہایت ہی دلیر اور شجاع فرقہ تھا جس نے سلطان ابو سعید کے مرنے کے بعد تقریباً پچاس سال تک خراسان کے اکثر شہروں میں حکومت کی ان میں نو آدمی سر بر آوردہ اور حاکم وقت ہوئے۔ اول عبد الرزاق۔ دوسرے وجیہہ الدین مسعود جو عبد الرزاق کا بھائی تھا۔ تیسرا شمس الدین فضل اللہ۔ چوتھا خواجہ علی شمس الدین پانچواں یحیٰی کرابی۔ چھٹا ظہیر کرابی۔ ساتواں حیدر قصاب حشمی۔ آٹھواں حسن دامغانی۔ نواں علی موید۔ اس فرقہ کا سربداروں کے نام سے موسوم ہونا بھی ایک لطیفہ ہے لہذا وہ بھی لکھتا ہوں۔ سربداروں کے فرقہ کا پہلا حکمران عبد الرزاق ہے جو خواجہ فضل اللہ باشتینی کا بیٹا تھا۔ یہ شاہ جوین کے خدام میں شامل تھا۔ اور باشتین جو نواح سبزوار میں ایک قصبہ ہے اس کا مولد و مسکن تھا۔ خواجہ فضل اللہ نہایت ہی مالدار تھا اور عبد الرزاق

ہر قسم کا عطر صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سپلائی کرتے ہیں

مذکور اور وجیہ الدین مسعود اور شمس الدین اسکے تین لڑکے تھے چونکہ ان سب میں عبدالرزاق سب سے زیادہ دلیر اور وجیہ تھا اس لئے وہ سلطان ابو سعید خان کا آذربائیجان میں ملازم ہوا اور سلطان ابو سعید خاں نے اس کو یسادل مقرر کیا۔ مدتوں تک اس خدمت کو حسن وخوبی سے انجام دیتا رہا ایک مرتبہ حکم سلطانی کی بنا پر تحصیل وصول کے لئے کرمان گیا۔ مگر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ جسقدر روپیہ وصول کیا وہ سب اس کے ہاتھ سے ضایع ہو گیا - اب لوٹ کر ابو سعید خاں کے دربار تک جانا محال تھا لہذا باشتین اپنے وطن کو واپس ہونے لگا اور اس فکر میں تھا کہ باپ کی جائداد فروخت کر کے شاہی قرضہ ادا کردے راستہ میں یہ خبر سنی کہ سلطان ابو سعید خاں کا انتقال ہو گیا۔ عبدالرزاق کو ایسی حالت میں اس خبر سے زیادہ اور کونسی چیز خوش کر سکتی تھی نہایت خوش ہوا اور باشتین چلا آیا اپنے اعزہ واقربا سے ملا تو یہ شکایت سنی کہ یہاں کا حاکم علاء الدین محمد فریومدی کا بھانجہ مقرر ہوا ہے اور وہ نہایت ظالم وفاسق ہے۔ شراب کا شایق ہے اور شاہد کی ہر وقت تلاش ہے ہمسے بھی برابر یہی تقاضہ ہے کہ شراب پلاؤ اور کوئی معشوق لاؤ۔ عبدالرزاق کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور کہنے لگا کہ ابو سعید خان کا انتقال ہو گیا۔ زمانہ پلٹ گیا اب اس دہقانی کے ناز اٹھانے سے فائدہ اپنے ساتھیوں کو لیکر اسی رات کو علاء الدین محمد (جو وزیر السلطنت تھے) کے بھانجے پر شبخون کیا اور اس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اسپر یہ ستم ظریفی کی کہ صبح کو قصبہ کے باہر بہت سی داریں نصب کیں اور ان پر مقتولین کے سر لٹکا کر نشانہ بازی کرنا شروع کی اور اسی روز سے سربدار اپنا خطاب مقرر کیا اہل قصبہ نے جب عبدالرزاق کی یہ بہادری دیکھی تو سات سو آدمیوں نے اسی روز اس سے بیعت کی۔ جب یہ خبر علاء الدین کو پہونچی تو انھوں نے ایک ہزار مسلح سوار جمال الدین محمد کی ماتحتی میں دیکر بھیجے کہ علاء الدین سے اس بے ادبی کا بدلہ لیں مگر علاء الدین کے بہت سے ساتھی موجود تھے دل بڑھا ہوا تھا۔ اس کو بھی شکست دی اور اپنے چھوٹے بھائی وجیہ الدین مسعود کو علاء الدین کے قتل کے لئے روانہ کر دیا۔ اس کے بعد ہنگامہ ہوتا رہا جس کی تفصیل یہاں بیکار ہے۔

ایسے عالم میں کہ فتنہ برپا ہو رہا تھا، علاء الدین محمد جو ابن یمین اور اس کے باپ کا محسن، اور ان کا ہموطن تھا دشمن سے برابر ہزیمت پر ہزیمت اٹھا رہا تھا اور فریومد پر آفتین آنے کا احتمال تھا۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ ابن یمین سربداروں کی مداحی نہ کرتے بہرحال انھوں نے ضرورتاً سربداروں کی مداحی کی مگر وہ ہرگز بالطبع اس کی طرف مائل اور متوجہ نہ تھے ان کا ابتدائی رنگ وہی اخلاق تھا ان کے اخلاقی قطعات کی شہرت عالمگیر ہوئی اور وہ شہرت آج تک ویسی ہی قائم ہے جیسی اس زمانہ میں تھی ان کے چند قطعات یہاں نموناً درج کئے جاتے ہیں :-

چوں جامہ حریر میں شمرم صحبت نادان
زیرا کہ گراں باشد و تن گرم ندارد

از صحبت نادان تبرت نیز بگویم
خویشے کہ توانگر شد و آزرم ندارد

ہر اشیاء صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

زین ہر دو، نیبر دان تو شہی راکہ در اقلیم | باخنجر خونریز دل نرم ندارد
زین ہر سہ بتر نیز بگویم کہ چہ باشد | پیرے کہ جوانی کند و شرم ندارد

کنجے و کتابے و حریفے دو سہ ہمدم | باید کہ عدد بیشتر از چار بنا شد
رودے و سرودے و شرابے و کبابے | شرط است کہ ساقی بجز از یار بنا شد
ایں دولت اگر دست دہد ابن یمین را | با ہیچکس در دو جہاں کار بنا شد

دو قرص نان اگر گندم است و گر از جو | دو تائے جامہ اگر کہنہ ہست و گر از نو
چہار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع | کہ کس نگوید ازینجا بخیز و آنجا رو
ہزار بار نکو تر بہ نزد ابن یمین | ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو

من و نفس نفیس و فقر و فاقہ | نمیخواہم غنی گشتن بہ خواری
بو دجاں دادنم در آب بہتر | ازاں کز غوک باید جست یاری
گرسنہ گر بمیرد باز ازاں بہ | کہ چند او ر اکند سیر از شکاری

پہلے قطعے میں انسان کے اخلاقی ارتقا کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ ایسا ہے جس سے بہتر ذہن میں نہیں آسکتا فرق مراتب اور اخلاق کی رفتار تدریجی ـــــــ کی سب صورتیں بے مثل دکھائی گئی ہیں۔

دوسرے قطعہ میں عیش و فراغت کے باغ و بہار کی خوشنما تصویر اور خوشحالی کا دلچسپ و روح افزا ـــــــ منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اسکو محاکات کہئے یا مصوری یا کچھ اور مگر شاعر کی پرواز خیال اس سے زیادہ اگر دشوار نہیں تو آسان بھی نہیں

تیسرے قطع میں آزادی کی قدر دانی کا بہتر سے بہتر اسلوب میں سبق دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ اور لایعنی ہے۔ اسی طرح چوتھے قطع میں کسی کا احسان اپنی گردن پر لینے کی ممانعت کی گئی ہے اس مضمون کو بہت سے شعرا نے کہا مگر یہ لطافت اور شیرینی مشکل سے کہیں ملیگی۔

ابن یمین کے قطعات کا ایک دیوان پورا موجود ہے اور ہر قطعہ ایک سے ایک بہتر اور برتر صورت میں موجود ہے مگر ہم کو اسوقت اس سے بحث کرنا منظور نہیں بلکہ آپ کی توجہ محض انکی غزل گوئی کی طرف منعطف کرنا چاہتے ہیں جس پر انھوں نے قطعا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بہت بڑا کارخانہ ہے۔

سے زیادہ محنت کی ہے ان کے غزلوں کا دیوان سربداروں کے ہنگامہ میں ضایع ہوگیا تھا اور غالباً پھر وہ ان کو عمر بھر نہ مل سکا۔ مگر ہندوستان کی خوش نصیبی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح یہاں تک پہونچ گیا۔ مولانا غلام علی آزاد نے ید بیضا میں لکھا ہے کہ میں نے ان کا دیوان دال کی ردیف تک دیکھا جس پر مولانا شبلی نے شعر العجم میں یہ راے ظاہر کی ہے کہ غالباً یہ قطعات کا دیوان ہوگا چونکہ مولانا شبلی نے خود ابن یمین کا دیوان نہیں دیکھا اور نایاب ہونے کی وجہ سے وہ ان تک نہیں پہونچ سکا اس لئے ہم اس رائے دینے میں ان کو کوئی الزام نہیں دے سکتے۔ مگر مولانا کی یہ رائے کہ ابتدا میں وہ غزل اور قصاید سب کچھ کہتے تھے ایک حد تک غلط ہے۔ وہ مدتوں تک غزل اور قطعات سب کچھ کہتے رہے اس لئے کہ ۷۳۶ھ میں سربداروں کے ہنگامہ کی ابتدا ہوئی اور غالباً اسی میں ان کا دیوان ضایع ہوا اور ۷۴۹ھ میں ابن یمین نے دار فانی کو خیرباد کہا گویا دیوان کے ضایع ہونے کے بعد ان کی سات آٹھ برس کی عمر اور باقی رہجاتی ہے اور یہ بلاشبہ انکی شاعری کا آخری دور مانا جائے گا۔ پھر مولانا شبلی کا یہ جملہ کہ ابتدا میں وہ سربداروں کی مداحی کرتے تھے بالکل معکوس ہوجاتا ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے ضرورتاً آخر میں سربداروں کی مداحی بھی کی ورنہ اُن کا دلی اور ابتدائی شوق وہی غزل گوئی کی شاعری اور قطعات نگاری پر مبنی تھا۔

مولانا شبلی ید بیضا سے ایک دو شعر نقل کرتے ہوے لکھتے ہیں کہ ان اشعار سے اگرچہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ غزل میں کم پایہ نہیں۔ لیکن ان کا خاص رنگ اخلاقی شاعری اور اس میں بھی قناعت و خودداری ان کا خاص حصہ ہے جیسا کہ مولانا نے فرمایا ہے پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا۔ مگر تحقیق کے بعد مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا اسوقت میری نظر کے سامنے ان کی غزلیات کا تمام و کمال دیوان موجود ہے اور میں نے جہانتک غور و فکر کے بعد اندازہ کیا ہے ان کے کلام میں حسب ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں

(۱) اُن کی غزلیات کا سب سے بڑا عنصر شیرینی زبان تھا جو اب بھی اسی طرح قائم ہے۔

(۲) ان کی زبان یا ان کا طرز بیان استعاروں اور لایعنی پامال تشبیہوں سے اکثر پاک و صاف ہے اور ان کے طریق ادا میں صفائی ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ اور وہ اپنے معاصرین کی طرح ہرگز ایہام۔ یا مراعات النظیر، دور از کار تشبیہات اور بعید استعاروں میں نہیں پڑتے۔ جو کچھ کہتے ہیں اس طرح کہتے ہیں کہ نہ وہ سامعہ پر گراں ہوتا ہے اور نہ اس کے سمجھنے میں گتھیاں سلجھانے کی عقل کو ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) انکی غزلیں یکسر سوز و ساز عشق کا آئینہ ہیں

(۴) امور تصوف سے انکی غزلیں لبریز ہیں، اگرچہ عشق تصوف کا سنگ بنیاد ہے اور یہ ابن یمین کے یہاں بھی بدرجہ احسن موجود ہے مگر انھوں نے استعاروں اور پامال تشبیہوں سے احتراز کرتے ہوے یہ خصوصیت پیدا کر دی کہ ایشیائی شاعری پر استعاروں کی کثرت کی وجہ سے جو حقیقی اور شہوانی جذبات کی آمیزش کا الزام تھا۔ اسے دور کیا۔ یعنی انھوں نے اس الزام کو

بانو ہیر آئل اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

اچھی طرح سے سمجھا۔ اور صوفیانہ مذاق کے جسقدر شعر لکھے ان میں اکثر ایسے ہیں جنہیں گنجائش پیدا کر کے حقیقت اور مجاز کو ہم معنے اور مرادف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان کی قادر الکلامی نے ان شعروں میں ایسے الفاظ رکھدئے ہیں جن کو دیکھنے کے بعد شعر کو مصنف کے مافی الضمیر اور اس کے اصلی مفہوم سے، جدا نہیں کیا جا سکتا، اور اس لحاظ سے وہ اپنے معاصرین کیا بڑے بڑے صوفیوں سے بھی آگے ہیں

(۵) تصوف کے اسرار کو شعر کے قالب میں اس طرح ڈہالا گیا ہے کہ نقل بالکل اصل معلوم ہوتی ہے یعنی کہیں اگر اصل مسئلہ کو بیان کر دیا ہے تو شعر میں ایک لفظ بھی ضرورت سے زائد نہیں ہے

(۶) ان کے یہاں سوائے عشق کے اور کسی فلسفہ سے غزل میں بحث نہیں کی گئی

(۷) جذبات ان کے یہاں بہت ہیں۔ یہ صفت کچھ ان کو انکے معاصرین سے ممتاز نہیں کرتی۔ مگر ان کے اظہار جذبات میں آداب عشق اس قدر ملحوظ رہتا ہے کہ دوسروں کے یہاں بمشکل اسکی نظیر مل سکتی ہے۔

(۸) بزم حقیقت سے جب فراغت پاتے ہیں تو وہ شریک مجلس ساقی بھی ہو جاتے ہیں مگر اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ جب خانقاہ سے اٹھکر میکدہ کی طرف جاتے ہیں تو وہاں جاکر صوفی رہتے ہیں نہ اُن کا جبہ و دستار کبھی رہن مے ہوتا ہے نہ وہ دین و دنیا کو ساقی کے نذر کر دیتے ہیں۔

(۹) ان کی غزل مسلسل ہوتی ہے۔ غزل میں تسلسل کا طریقہ سعدیؒ نے متروک کیا تھا۔ ابن یمین اُسی قاعدہ کے پابند ہیں اور پابندی کو دور کرتے ہیں تو اس طرح کہ سب شعر علیحدہ علیحدہ ہونے پر بھی ایک رنگ میں قرار دئے جا سکتے ہیں اب ہم ہر ایک خصوصیت کے کچھ اشعار نقل کرتے ہیں۔ پہلے سادگی و شیرینی زبان کی مثالیں ملاحظہ کیجئے:-

بار جفا و جور کشیدیم و کس نگفت　　تا چند بار غم کشد این ناتوان ما
در کوئے یار ہیچ بجائے نمیرسد　　ہر چند بگزرد ز فلک این فغان ما

دردا کہ سوخت شعلۂ شوق تو جان ما　　آتش نہاد عشق تو در خانمان ما
دلدار وعدہ داد کہ سوی تو بنگرم　　من منتظر کہ کے شود آن وعدہ راوفا
اے دل مپرس از من بیدل حساب غم　　حیران حسن یار چہ داند حساب را

نالہ تا چند کنم از غم ادا بن یمین　　قامتم چنگ شد و او بہ وصالے ننواخت

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

زاہداں را خبر عشق نبود ٹو   عمر در روزہ و نماز گزشت
دلم می بُرد و بخندید و میگفت   کہ چوں ایں شیوہ ہائے آشنائی ست
بعد مرگ اے دوستاں من چو در خاکم کنید   بر سر قبرم علم پیراہن چاکم کنید
ہر کہ را بود دیدۂ بینا   روے او را بدید و حیران شد
جز وصال تو جمع می نشود   خاطرے کز غمت پریشاں شد

یہ اور اسی قسم کے بہت سے شعر ہر رنگ میں ہر مضمون کے ابن یمین کے یہاں موجود ہیں دوسری خصوصیت یعنی استعارون سے ان کے کلام کا پاک و صاف ہونا اور بعید تشبیہوں سے احتراز کرنا بھی انھیں چند شعروں سے ظاہر ہو سکتا ہے اور آئندہ دوسرے خصوصیات کے لئے جو اور شعر پیش کئے جائینگے اُن سے بھی معلوم ہو سکے گا۔

تیسری خصوصیت یعنی سوز و ساز عاشقانہ کی مثال میں چند شعر ہم لکھتے ہیں کہ ابن یمین تغزل کو صرف تغزل ہی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، ان کو صرف با معشوق سخن گفتن سے کام ہے اور اس ایک بات کے نباہنے کے لئے وہ رفعت تخئیل مضامین کی بلندی جدت خیال کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ایک جذبۂ حزن و ملال پر انھوں نے سب باتوں کو ٹھکرا دیا ہے اور پھر لطف یہ کہ اس ترک ماسوا سے ان کے کلام کا لطف اور بڑھ گیا ہے ذرا بھی کلام میں سُستی نہیں پیدا ہوتی اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن یمین رموز و اسرار شعر کے ماہر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ شعر میں نشتر نہ نئے مضمون لکھنے سے پیدا ہوتا ہے نہ عرش کے تارے توڑ لانے سے اس کو کوئی لگاؤ ہے، بلکہ وہ شے جو شعر کو سراپا درد و سوز بنا دیتی ہے اور ہی کچھ ہے فرماتے ہیں:-

روزیکہ می شدیم جدا از وصال یار   بر حال ما گریست زمین و زماں جدا
ما پریشاں حال و او غافل ز حال خستگاں   اے صبا او را بگو فکرے کند در کار ما
در سر کویت غریب و بے کسیم   رحم کن بر دیدۂ خونبار ما
عاقبت ابن یمین راز نہاں   فاش شد از نالہائے زار ما
گفتم کہ کیست ابن یمین بر در تو گفت   بیچارۂ شکستہ دلے بے نوائے ما
محنت بعید کشید ابن یمین در کوئے دوست   چون کنم اینہا چو بر پیشانیش مکتوب بود
مفلسانیم کہ سودائے جمالت داریم   نقد جان و دل ما گرچہ بہ کم می ارزد
دست لطفے بر دل زار من شیدا نہید   چارۂ سازید و فکر جان غمناکم کنید
عاشقاں در سر کوئے تو بصد درد ہمہ   جان سپر دند و لیکن بہ تمنا رفتند

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگانا چاہئے۔

خود را بسر کوی تو بر خاک تواں زد　　ہر لحظہ گریباں ز غمت چاک تواں زد
میکنم پارہ گریباں ز غمت ابن یمین　　چہ کنم در رہ او دست بداماں نرسید
ہر کجا کہ اثر کرد آہ ابن یمین　　دراں دیار گیاہے ز خرمی نہ دمید
ایکہ از حال دل خستہ فراغے داری　　سینہ ام چاک بکن بین کہ چہ داغے داری

ابن یمین کے کلام کی چوتھی اور پانچویں خصوصیت تصوف ہے چونکہ اس سے ہمارے مضمون کا بہت گہرا تعلق ہے اسلئے اس کو آئندہ ذرا تفصیل سے بیان کریں گے سردست ہم چھٹی خصوصیت کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ان کا کلام نہ ابن رشد، ارسطو وغیرہ کا فلسفہ ہے اور نہ امام غزالی کی طرح انکو فلسفۂ اسلام سے کوئی واسطہ ہے، بلکہ وہ صرف عشق کے اثرات اور کیفیات کو نظم کرتے ہیں اس میں بھی وہ عشق کے حقایق کو بہت کم بیان کرتے ہیں البتہ صرف حال کو قال کر دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اس سے پہلے لکھے ہوئے شعروں سے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے البتہ ساتویں خصوصیت یعنی عشق کی کیفیات اور سوز و درد کے اثرات میں آداب عشق ملحوظ رکھنا یہ صرف ابن یمین ہی کا کام ہے اور وہ اس میں معاصرین سے سبقت لے گئے ہیں۔ ان کے اس ادب و احترام عشق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کا عشق اعلی ہے اور ان کا سوز و ساز مصنوعی نہیں ہے۔ وہ ایک صوفی صافی ہیں اور ان کا دل عشق حقیقی سے لبریز ہے صرف ردیف الف میں سے چند اشعار کا انتخاب ملاحظہ ہو:۔۔۔

عمریست سر نہادہ بر آں آستانہ ایم　　تا نگفت یار کہ ہست از سگان ما
کردم نظارہ برخ معشوق بے بصر　　گفتم حدیث عشق ز کام و زباں جدا
این بود حاجتم کہ بعشق تو جاں دہم　　شکر خدا کہ گشت ہمہ حاجتم روا
ما خاصان در از نتوانیم شدن　　رحمت خاص اگر خود نبود شامل ما
گر بروے تو ببینیم بسے عیش و طرب　　ور بکوے تو بمیریم زہے دولت ما
با سگاں در کویت دم یاری داریم　　بس ہمیں در دو جہاں سلطنت و حشمت ما
حد آں نیست کہ من ہمدم رازش باشم　　کاش سازد سگ او ہمدم و ہمراز مرا
بر سر کوی تو ہر دم مست و بیخود بودہ ایم　　رفتہ ہست القصہ اکنوں اختیار از دست ما
گو بحیزے بخرد بر در او کس مارا　　بندۂ آں سر کوئیم ہمیں بس مارا
گر صد ہزار ہیچو منے کشتہ بیجہ باک　　زاں چشم یک نگاہ و دو صد بے نوای ما
خاک آں کو را بچشم ما رساند گر سحر　　ایں امید از جانب باد سحر داریم ما

ہر عطر صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگانا چاہئے

گر ز یاراں کہن بیگانہ ایم ای دل چہ باک   چوں سگانِ آن سرِ کو آشنا داریم ما
گر ہمہ اغیار بر ما تیغِ بیدادی کشند   چوں تو ہستی یارِ ما دیگر چہ غم داریم ما
بعد ازین ابن یمین از طعنۂ دشمن چہ باک   مثلِ او چوں پادشاہِ محتشم داریم ما
ما سگِ آن سرِ کوئیم دگر ابن یمین   ہر کجا ہست ہمیں است مآلِ سخنِ ما
جاں دادہ ایم و دردِ غمت را خریدہ ایم   در کشورِ وجود ہمین است سودِ ما
عمرے است تا بخاکِ درت سر نہادہ ایم   باشد کہ پائے لطف نہی بر جبینِ ما
کاشکے بختم دراں کو پاسباں سازد مرا   در کفِ آن پا چو خاکِ آستاں سازد مرا
مہرباں ساز خدایا دلِ آن دلبرِ ما   کہ ز خاکِ قدمے دور نہ سازد سرِ ما

نویں خصوصیت یعنی غزل کا تسلسل اس انداز سے کہ وہ مسلسل بھی ہو تو اس صورت سے کہ مسلسل نہ معلوم ہو چند مثالیں پیش ہیں:-

تعالی اللہ کہ بنمود آن دل آرا   جمالِ خویش را بر ما ہم از ما
جمالِ یار را در خویش دیدم   یکے شد شاہد و مشہود ما را
مرا حاجت نباشد بادۂ صاف   کہ من مستم ز جامِ حق تعالےٰ
بمن آمیخت ہمچوں شہد و شکر   کہ امکانِ جدائی نیست اصلا
چو من حیرانِ روئے آن نگارم   از اں رو خارِ غم ازلا و الّا
رخِ خود را یکے با من نماید   ہمیدارم از اں دلبر تولّا
چو صبحے چشمِ خود بکشایم از خواب   بود در دیدہ ام ذوقِ تماشا
من اے ابن یمین در ہر دو عالم   ندارم جز وصالِ او تمنا

تا یکے از حسرتِ دیدار سوزد جانِ ما   ہیچ باشد رخ نماید ناگہاں جانانِ ما
گر بہ انداز نگارِ ما زند روئے خود نقاب   تا قیامت باز ماند دیدۂ حیرانِ ما
در سرِ کوئیش در دون آتشِ غم ساکنیم   تا بود قوت سگانش سینۂ بریانِ ما
عشق رہ فرما کہ از زلفِ تو زنجیری نہد   چند گردد ہر طرف این عقلِ سرگردانِ ما

عمدہ عطر کہاں فروخت ہوتا ہے اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

صبر کن ابن یمین گرچہ برا افروختند　　　عاقبت خواہد علم زد آتش پنہاں ما

ان دو غزلوں کے رنگ ہی میں تقریباً اُن کی تمام غزلیں رنگی ہوئی ہیں۔ اس تسلسل میں عدم تسلسل کی ایک خاص وجہ معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ یہ رنگ ہنوز اُن کے طبیعت پر پورا قبضہ جمانہ چکا تھا کہ وہ اس زنجیر تسلسل کو توڑ کر اُس قید سے آزاد ہو جاتے مگر اکثر کوشش یہی تھی اس میں جسقدر کامیابی ہوئی وہ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ میری تشریح ایک امر فضول سے زیادہ نہیں۔ مگر انکی چوتھی خصوصیت یعنی تصوف کے رموز کو تصوف ہی کے دائرہ میں بیان کرنا ایک ذرا طوالت طلب ہے۔ ابن یمین کے کلام میں اسرار تصوف کے جسقدر اشعار ملتے ہیں وہ اس قدر مستحکم ہیں کہ کسی صورت سے دائرۂ تصوف سے باہر نہیں جا سکتے زیادہ تر کلام ایسا ہی ہے جو محتاج تاویل نہیں ہے اور جو محتاج تاویل ہے وہ صرف اسی قدر کہ ذرا سے اشارہ میں مجاز کو حدود حقیقت سے ملا دیتا ہے۔ مثال میں چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

باز خاصان در او نتوانیم شدن　　　رحمت خاص اگر خود نبود شامل ما

من یہدیہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ہادی لہ

جمال یار را در خویش دیدم　　　یکے شد شاہد و مشہود آنجا

چونکہ در بحر قدم قطرۂ آبے شدہ ایم　　　گر بجوئید نیابند ازیں پس ما را

جذبۂ ما ہمہ از عین عنایات وے ست　　　کہ بجو دمیکشد آن ذات مقدس ما را

اسی مضمون کو مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

بسے منزل آمد ز من تا بہ تو　　　نشاید ترا یافت الا بتو

اے مسلماناں چہ عیب ار بت پرستی میکنم　　　چونکہ در دل مہر آن زیبا صنم دارم با

اسی مضمون کو سعدی نے یوں کہا ہے کہ

در عمل کوش ہر چہ خواہی پوش　　　تاج بر سر نہ و علم بر دوش

ہر چہ در کائنات مے بینم　　　ہمہ را نور ذات مے بینم

من کہ در ذات او شدم فانی　　　کے بسوئے صفات می بینم

ہست آن رخ بہ شش جہت تاباں　　　گرچہ من از حیات مے بینم

چوں خضر در میانۂ ظلمات ست　　　صاف آب حیات مے بینم

عمدہ عطر ملنے کی جگہ :- صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگائیے

ابن یمین اپنے تصوف میں سوائے عشق کے اخلاق وغیرہ کو شامل نہیں کرتے اور ہر جگہ اصل مقصود کو چھوڑ کر فروع کی جانب کچھ توجہ نہیں کرتے اور اسی رنگ سے ان کا پورا دیوان مملو ہے سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ باوجود تصوف کے نازک اور لطیف مسایل کے بیان کرنے کے بھی کہیں ان کے کلام میں شاعرانہ خوبیاں نظر انداز نہیں ہوتیں۔ اسلوب بیان اسقدر دلکش ہے کہ خواہ مخواہ تعریف کرنی پڑتی ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔

حدیث توبہ و تقویٰ ز شیخ شہر شنو　　　رموز عشق ز مستان بے سر و پا پرس

اسی شعر کو دوسرے قالب میں ڈھالکر حافظ نے یوں کہا ہے

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

مندرجۂ بالا غزل میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

خمار نرگس مستش ز ہوشیار مجوے　　　جنون حلقۂ زلفش ز عقل شیدا پرس

ایک اسلوب بیان ہی نہیں بلکہ شاعرانہ تمام خوبیاں اپنی اپنی جگہ پر اُن کے کلام میں موجود ہیں۔ جوش بیان کا زور طرز ادا میں خوش سلیقگی۔ سادگی۔ مستانہ انداز۔ ترنم اور موسیقیت وغیرہ نے ملکر ان کے دیوان کو ایک چمن زار لطافت بنا دیا ہے جسمیں ہر قسم کے پھول موجود ہیں اس پر شیرینی زبان ایسی ہے کہ ان کے معاصرین میں نہیں ہے۔ حافظ کا کلام مستانہ صاف اور سادہ زبان میں ہے مگر وہ صرف ابن یمین کے ایک خوشہ چین ہیں اور اسی سے ان کے یہاں بعض وہ باتیں جو اکثر ابن یمین کے یہاں ہیں انکی مستانہ روشس پر دہو کا ہوتا ہے کہ ایک شرابی جھومتا جھامتا اپنے نشہ کی ترنگ میں خوش ادائیگی کے ساتھ نغمۂ روح افزا سنارہا ہے ملاحظہ ہو۔

ز چشم مست تو عشاق مے پرست شدند　　　ہمہ سبوکش بزم مے الست شدند
ز بادہ ہائے فرح بخش غمزۂ ساقی　　　بہ نیم جرعہ حریفان تمام مست شدند

دوش در سلسلۂ بادہ پرستاں بودیم　　　از مے عشق ہمہ بیخود و مستاں بودیم
پیش از آندم کہ ز حیرت بجہاں نام برند　　　ما بدیدار تو آشفتہ و حیراں بودیم

روز عید است حریفاں سوے میخانہ رویم　　　مے کشیم و بہ مصلا ہمہ مستانہ رویم

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو سے ایک مرتبہ عطر منگاکر ملاحظہ فرمایئے۔

من بیا دلب میگوں توای ساقی جاں　　از جہاں ست روم درصفِ مستان خیز
من ز آسایش خوابِ اجلم ہزرہ مگوی　　گر بخیزم بخیال رخ جانان خیز

اگرچہ انداز مستانہ کے ساتھ ہی ساتھ مندرجۂ بالا شعروں میں بھی موسیقیت کی بھی کمی نہیں ہے مگر ہم ترنم کے ذیل میں چند اور شعر بھی لکھتے ہیں جن کا ایک ایک لفظ نغمہ سے معمور ہے۔

منم محو جمال او نمیدانم کجا رفتم　　شدم غرق وصال او نمیدانم کجا رفتم
باں مہ آشنا گشتم ز جاں و دل جدا گشتم　　فنا گشتم فنا گشتم نمیدانم کجا رفتم
رہین روے او بودم اسیرِ موی او بودم　　غبار کوی او بودم نمیدانم کجا رفتم

بر ہست بسے دویدم بکجا رسیدہ باشم　　زجمال جانفزایت مہ من چہ دیدہ باشم
بکجا تواں رسیدن بہ حریم خلوت تو　　بہمیں خوشم کہ عمرے زپیت دویدہ باشم

ابن یمین کے یہاں اسی صورت سے سیکڑوں غزلیں موجود ہیں جن کے الفاظ نہایت شستہ اور ڈھلے ہوئے ہیں۔ ابن یمین کا دیوان رباعیات سے بھی خالی نہیں ہے مگر وہ کچھ زیادہ قابل ذکر نہیں ۷۴۵ھ میں ابن یمین نے دنیائے فانی کو خیرباد کہا اور اپنے مولد فریومد میں مدفون ہوئے اب بھی ان کی قبر وہاں زیارت گاہ عوام ہے مرتے وقت اپنی تصنیف کردہ ایک رباعی پڑھتے رہے

منگر کہ دل ابن یمین پرخوں شد　　بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد

ذیل میں ایک مختصر اقتباس ان کے کلام کا پیش کیا جاتا ہے:۔

بار جفا و جور کشیدیم و کس نگفت　　تا چند بار غم کشد این ناتوان ما
عمرے ست سر نہادہ برآں آستانہ ایم　　اما نگفت یار کہ ہست از سگان ما
ابن یمین بدرگہ او نالہ می کند　　شاید ترحمے بکند دلستانِ ما

روزے کہ می شدیم جدا از وصال یار　　بر حال ما گریست زمین و زماں جدا

دلدار وعدہ داد کہ سوئے تو بنگرم　　من منتظر کہ کے شود آں وعدہ وفا

کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ گورنمنٹ ہند سے سند حاصل کر چکا ہے

نے خاک را ز وے خبر نے پار را بر و گزر یارب کہ گوید حال من آں سرو جوری زاد را

ہر کجا ایم دل ما بجمال تو خوش ست ہر گز ویں ماہ نرفت ست ازیں منزل ہا

چو صبح چشم خود بگشایم از خواب بود و ز دیدہ ام ذوقِ تماشا

در سر کویت غریب و بیکسم رحم کن بر دیدۂ خونبار ما

گو بچیزے نخرد بر در او کس مارا بندۂ آں سر کویم ہمیں بس مارا

عمرے ست تا بخاک درت سر نہادہ ایم باشد کہ پائے لطف نہی بر جبین ما

داشتم ابن یمیں من ہر سر و ساماں و لے ساخت آں سیر حرم آخر بے سر و ساماں مرا

برو ابن یمین از کوئے خوباں کہ می میرم من جراں ہم آنجا

سالہا ابن یمین ہر خاک رہت خفتہ ہست بر امیدِ آنکہ بیند یک شبے روئیت بخواب

افتادہ ایم بر در تو بیکس و غریب بر ما ترحمے بکن اے مہربان طبیب

خود گو کہ جان چگونہ بریم ای مرادِ جاں تا نر دے جانفزا ازاں چشم دلفریب

در بزم قدح نوشاں یک بادہ فروش مست در مجلس سرمستاں سرمایۂ جوشے ہست

مشکی زردہ صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

ای ابن یمین بلبل ہر چند ز گل نالد   چون غنچہ دل پر خون دریاب کہ خموشی ہست
دلم میبرد و می خندید و می گفت   کہ چون این شیوہ ہای دلربائی ست
اگر داری وفا از سر گذر کن   کہ فکر سر درین رہ بیوفائی ست
ای جان بطرب کوش کہ دلدار قرین ست   ای دل بادب کوش کہ در پردہ کسے ست
اے طبیبا ز حال ابن یمین   پرسشے کن کہ نیک بیمار ست
بعد عمرے چو برسیدن من آمدہ   زود مگذر کہ بدیدار تو آخر نفس ست
سالہا ابن یمین در سر کوی تو فتاد   نگر ای شوخ نگفتی کہ فلانے چہ کس ست
حسرت عاشق از انست کہ در مقتل عشق   می شود کشتہ ولے در نظر قاتل نیست
ای ابن یمین ہرگز بے داغ دلی نبود   تا آنکہ درین عالم یک لالہ عذاری ہست
لب او در تکلم گرچہ شیرین و شکر ریز ست   ولیکن چشم او بسیار شوخ و فتنہ انگیز ست
نقاب از رخ برافگندہ نگارم کاسہ دارد   بیا می نوش ای زاہد چہ وقت زہد و پرہیز ست
با دل صد پارہ و جان حزین ابن یمین   از سر کوی تو رفت و سینہ افگار داشت
آن جمالے کہ در پس پردہ ست   بود بے ما ولے ظہور نداشت
بود ابن یمین بہ کوی تو خوش   ہیچ فکر بہشت و حور نداشت
سیر نادیدہ رفت ابن یمین است دریغ   از سر کوی تو آخر بہ تمنا برخاست
روز ازل کہ بنام ہمہ کس قرعہ زدند   قرعہ عشق بنام من مسکیں افتاد
حریفے کو شراب عشق نوشد   دو عالم را بیک جرعہ فروشد
دل خون گشتہ را ابن یمین با عہد او   چہ شد گر پارہ پارہ کرد گلہا چمن سازند
ابن یمین تو این ہمہ دیوانگی مکن   آخر سر تو زود بدیوار می رسد
سالہا بودم بیاد او من دلخستہ شاد   حالتے آمد کہ رفت آن یاد ہم اکنون نیز
کسے کو جام می بر عاشقان مست می گیرد   کرم ہا می کند افتادہ را دست می گیرد
با نام کسی فال بہ رندی نہ بر آمد   این قرعہ بنام من بیباک توان زد
آن طرہ را کسے کہ بدست صبا دہد   باشد کہ یک گرہ زدہ بر دست ما دہد

لاف دانش میزنند ابن یمین این مردماں   چون سر توقیع خود واللہ اعلم ساختند
صد آفرین بہ ہمت ابن یمین کہ او   تا سر بباخت در رہ عشقت قدم نماند
در غمت ابن یمین را خبر از عالم نیست   در سر کوی تو خوش آمد و بے غم افتاد
ما بیاد لب او توبہ شکستیم دگر   بر در میکدہ سر مست بگشتیم دگر
قدم دریغ مدار از فضائے دیدہ ما   چہ حالتست کہ ماہ سر حجابست ہنوز
بگفتم از غم عشق تو سوختم چہ کنم   بخندہ گفت کہ ابن یمین کجاست ہنوز
ابن یمین خوشم ز ہر محنتے کہ ہست   گر اشک حسرت ست و گر آہ دردناک
اگر مستی کنم عیبے مگوئید   کہ شب تا صبح در میخانہ بودم
مثال ابن یمین از چشم شوخش   میان مردماں افسانہ بودم
پیرہن چاک بود در بر ما ابن یمین   چند روزے بہ غم دوست پریشان بودم
چو گل گفتیم رویش را نگوئی ہمچو مہ تابان   ندانم از سر مستی کہ با یار و چہا گفتم
بہ کوی میکدہ ابن یمین بیاد لب او   در میخانہ بشکستم حریفاں را صلا گفتم
تا سر کوی یار منزل ماست   فارغ از صحن باغ و گلزاریم
برہ ہستے دویدم کجا رسیدہ باشم   ز جمال جانفزایت سر من چہ دیدہ باشم
بہ کجا تواں رسیدن بہ حریم خلوت تو   بہمیں خوشم کہ عمرے ز پیت دویدہ باشم
گفتمش ای دلربا خون دل من ریختی   گفت رو ابن یمین بر تو ترحم کردہ ام
گر نالہ کرد ابن یمین عیب او مکن   بیچارہ گشت رفت چو صبر و ثبات او
ای دل برآ از خانقہ اندر سر بازار شو   از ہر کہ یابی بوی او قربان آن بیمار شو
گفتیم کہ بیہوشی ما از چہ سزا الیست   ہر غمزہ ساقی ہمہ کردند حوالہ
غنچہ بودی ای گل اکنوں وا شدی   آفت صد بلبل شیدا شدی
ای مغنی چہ صدا بود کہ در گوش زدی   آتشے در دل و جان من مدہوش زدی

"آرگس"

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

دین مسیحی یا آفتاب پرستی

(گزشتہ سے پیوستہ)

یسوع کا جی اٹھنا

جس طرح یسوع کی پیدائش کی تاریخ محقق نہیں ہے اسی طرح ان کی موت کی تاریخ بھی تحقیق نہیں ہوئی ابتدائی زمانہ کے عیسائی یسوع کے مرنے کی تاریخ میں کوئی تہوار نہیں مناتے تھے، لیکن شروع ہی زمانہ میں وہ ایک محفل ان کے جی اٹھنے کی یادگار میں قائم کرتے تھے، جو دن کہ اس کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہ وہی تھا، جس دن کفار قدیم سورج دیوتا اور تمام نیچر کے جی اٹھنے کی عید مناتے تھے۔ وہ دن تھا اڈونس[1] کے جی اٹھنے کا۔ اس دن اڈونس کے عابد ایک دوسرے کو ان الفاظ کے ساتھ مبارک باد دیتے تھے کہ "اڈونس جی اوٹھا" ایسٹر کے دن شروع زمانہ کے عیسائی ایک دوسرے کو ان الفاظ میں مبارکباد دیتے تھے کہ "یسوع جی اٹھا" ہر وہ شخص جو ایسٹر کی اصلیت پر غور کریگا اسی نتیجہ پر پہونچے گا......

......کہ یسوع کے جی اٹھنے کی خوشی اور عید کی اصلیت پرانے زمانہ کے ان مراسم میں مضمر ہے جو موسم بہار کے واپس آنے کی خوشی میں ہوتی تھیں[2]

ایک مذہبی رسم کی ادائیگی کے موقعہ پر چقماق سے آگ جھاڑ کر ایک موم بتی روشن کی جاتی ہے اور اس کو یسوع کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ پھر خدا سے جو تمام روشنیوں کا خالق ہے یہ دعا مانگی جاتی ہے کہ اس روشنی کو برکت دے؛ اور زمین کو خوشخبری دیجاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ خوش ہو جائے کہ تاریکی سے نکل گئی جس میں وہ گھری ہوئی تھی جب یہ رسم ختم ہوجاتی ہے تو ایک تین کونوں کا چراغدان رکھا جاتا ہے جس میں پندرہ بتیاں ہوتی ہیں۔ اس چراغدان کے سامنے نماز ہوتی ہے اور ایک کر کے تمام بتیاں بجھا دی جاتی ہیں، صرف وہی بتی روشن رہتی ہے جو چقماق سے جلائی گئی تھی اور اس کو چراغدان کے سب سے اوپر رکھدیا جاتا ہے پھر اسی بتی کو قربان گاہ کے پیچھے لے جاتے ہیں، جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ مقبرے میں جا پہونچ گئی۔ ادھر وہ ہوتا ہے ادھر تمام نمازی ایک گیت گاتے ہیں اور جن کرسیوں یا بنچوں پر لوگ بیٹھے ہوتے ہیں ان کو خوب زور زور سے پیٹتے اور شور

---

[1] اڈونس کا یا ایٹس کا۔ روم میں ایٹس کے جی اٹھنے کی عید ۲۵ مارچ کو منائی جاتی تھی۔ [2] اصل میں ایسٹر اس اتوار کو منایا جاتا تھا جو موسم بہار کے بعد آتا تھا قدما کا خیال تھا کہ ہر ہفتہ کے پہلے دن یعنی اتوار کو روشنی پیدا ہوئی تھی۔ یسوع خود روشنی ہیں، اس لئے ان کا سال کے سب سے پہلے اتوار کو جی اٹھنا لازمی قرار پایا۔ مگر چونکہ عروج آفتاب ہر سال اتوار کو نہیں ہوتا اس لئے یسوع کے جی اٹھنے اور روشنی کے پیدا ہونے کی عید اس اتوار کو قرار پائی جو عروج آفتاب سے قریب ترین ہو کچھ زمانے کے بعد کلیسا نے موسم بہار کی چاند کی چودھویں تاریخ کے بعد جو اتوار آتا ہے اس کو قرار دی یہی وجہ ہے کہ اس تہوار کی تاریخ مقرر نہیں بلکہ ہر سال بدلتی رہتی ہے۔

مچاتے ہیں اور یہ سب کچھ اس شور و شغب کے مشابہ ہے جو نجات دہندہ کے مرنے سے پہلے دنیا میں پیدا ہوا تھا۔ جب یہ نماز ختم ہو جاتی ہے تو وہ بتی پھر لا کر چراغدان پر رکھدی جاتی ہے اور اس کے یہ معنی لئے جاتے ہیں کہ یسوع پھر جی اٹھے۔

جنوبی افریقہ کے بعض قبائل خاص کر ہوٹن ٹاٹ میں ایک عجیب خیال ہے وہ یہ کہانی بیان کرتے ہیں کہ "بہت زمانہ گزرا کہ چاند نے ایک خرگوش اپنی طرف سے انسانوں کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا اور یہ کہلوایا کہ جس طرح چاند مرتا اور پھر زندہ ہو جاتا ہے اسی طرح وہ بھی کریں گے۔ لیکن خرگوش نے پیغام پہونچانے میں غلطی کی اور اس نے یہ کہدیا کہ چاند کی طرح تم لوگ بھی مروگے مگر چاند کی ہدایت کے خلاف یہ کہا کہ پھر تم زندہ نہ ہوسکوگے"

اسی لئے ہوٹن ٹاٹ حشر کے قائل نہیں ہیں اگر ہوتے تو عیسائی علماء الہیات کا سا اعتقاد رکھتے۔

یسوع کا آسمان پر چڑھ جانا

یسوع کا آسمان پر چڑھ جانا بھی علم نجوم کے خرافات میں سے ہے[1] یہ دوزخ میں جانے کے اعتقاد کا ایک حصہ ہے یا بہ تبدیل الفاظ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کا مقابلہ ہے جس طرح کہ آفتاب نصف النہار پر پہونچکر غروب کی طرف مائل ہو جاتا ہے اسی طرح یسوع بھی جو آسمان پر چڑھ گئے تھے بہت جلد دنیا میں آ جائینگے۔

یسوع اور خدا کا کلام

جب یسوع آسمان پر چلے گئے تو اب ان کے دنیا میں واپس آنے کا انتظار شروع ہوا۔ اس زمانہ فرصت میں عیسائیوں نے یہ چنا شروع کیا کہ یسوع کو جو اب خدا بن گئے تھے، دیوتاؤں، یا خود خدا کے خاندان میں کس طرح جگہ دی جائے۔ یہ خاندان تین ہستیوں میں محدود کیا گیا جس دن کہ خدا نے دنیا پیدا کی اسی دن سے اس نے دو ذریعے اختیار کئے ایک سانس دوسرے کلام۔ سانس سے غیر منتظم ہونے کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور کلام سے جان پیدا ہوتی ہے سوچتے سوچتے آخر عیسائیوں نے یہ قرار دیا کہ خالق الکل خدا کے یہ دونوں ذرائع خود خدا ہیں۔ ایک کا انھوں نے "کلام" نام رکھا اور دوسرے کا "روح القدس"[2]

[1] اناجیل کے افسانوں کے موافق بطریق اینوخ اور الیاس نبی آسمان پر آگ (روشنی) کی گاڑی میں لے جائے گئے تھے (غالباً سورج کی گاڑی سے مطلب ہوگا) تمام رومی بادشاہ بھی مرنے کے بعد سیدھے آسمان پر جاتے رہے ہیں۔ یسوع کا آسمان پر جانا جو جی اٹھنے کی دوسری صورت ہے صرف دو حواریوں نے بیان کیا ہے۔

[2] قدیم زمانہ کے لوگوں کے نزدیک "کلام" اور "خیال" کا وہی تعلق تھا جو بیٹے کا باپ کے ساتھ ہوتا ہو۔ اور ایک کو دوسرے سے وابستہ رکھتا ہے۔ کلام خدا، خیال خدا کا بیٹا سمجھا گیا جس میں خدا یا باپ حلول کئے ہوئے ہو باپ کے حکم سے بیٹا بول پڑا اور اس کے پہلے ہی لفظ نے روشنی پیدا کردی روشنی چونکہ منتظم دنیا کا غیر منفک و لازمی ذریعہ ہو اس لئے وہی تمام چیزوں کی خالق تسلیم کرلی گئی۔ یسوع روشنی تو پہلے ہی بن چلے تھے اب انھوں نے جو صورت بدلی تو وہ کلام خدا ہو گئے اور وہ مخلوق الہی سب سے فردی اور اول چیز بن گئے پولوس نے صاف کہا ہے کہ "یسوع ہی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں۔ زمین ہو یا آسمان، وہ چیزیں ہو جو نظر آتی ہیں یا وہ چیزیں جو نظر نہیں آتیں... تمام چیزیں ان ہی کے ذریعے سے اور ان ہی کے لئے پیدا کی گئیں"

افلاطون کا قول ہے کہ سب سے پہلی چیز خدا ہے، سب سے پہلے اصول کا بیٹا نطق ہے جس کو اس نے اپنی صورت پر بنایا تھا دنیا کی روح باپ اور بیٹے سے پیدا ہوئی افلاطون اور اشراقیں سے آباء کلیسا نے تثلیث کا اصول لیا کارڈینل بیلادی سینی بہت صحیح کہتے ہیں کہ "اگر یونانی فلسفی اور یونانی فلسفہ نہ ہوتا تو کلیسا کے پاس اس کے بہت سے اصول نہ ہوتے کسی کارڈینل سے اتنی صاف گوئی کی امید نہ رکھنی چاہئے مگر سولھویں صدی میں یہ لوگ آزادی کے ساتھ جو کچھ چاہتے تھے لکھ ڈالتے اور زبان سے کہہ ڈالتے تھے۔

صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عمدہ عطر منگائیے

یسوع کو دیوتاؤں میں جگہ دینے سے بہت عرصہ پیشتر اصول تثلیث بن چکے تھے چونکہ تین کا ہندسہ متبرک سمجھا جاتا تھا اور روایات سے بھی اس کے مبارک ہونے کی تائید ہوتی تھی نیز اس کی جگہ کچھ اور نہیں رکھا جا سکتا تھا اسلئے یسوع کو "کلام خدا" قرار دیدیا گیا یعنی وہ (کلام خدا) ان تین متبرک ہستیوں میں سے ایک تھا جس سے وہ کام منسوب ہو سکتے تھے جو یسوع نے اپنی زندگی میں کئے اور اب بھی کریں گے۔

یسوع کی واپسی کی امید اور انتظار

قریباً ایک ہزار سات سو پچاس برس گزرے کہ رہون اور لائنس وغیرہ کے عیسائیوں کو یہ اہم اور ضروری اطلاع ایشیائے کوچک کے عیسائیوں نے دی کہ فرنجیا کے ایک بت پرست پروہت مونٹانوس نامی نے یہ کہا ہے کہ اس کو "زندہ خدا" نے یہ بشارت دی ہے کہ مسیح کے آنے کا وقت بہت قریب آگیا ہے۔

یہ وہ وقت تھا کہ قریباً ایک صدی سے عیسائی اپنے استاد کی واپسی کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ خود یسوع نے یہ کہا تھا کہ "میں بہت جلد آسمان کے بادلوں میں واپس آؤنگا تاکہ دنیا میں امن پیدا کر دوں اور اپنے ایمانداروں کے ساتھ دنیا میں بادشاہت کروں۔ میرا دار السلطنت یروشلم ہوگا، مگر وہ قدیم یروشلم نہیں، جو یہودیوں کا دار السلطنت رہا تھا، بلکہ ایک نیا یروشلم جو سونے اور قیمتی لکڑیوں کا بنا ہوگا اور میرے ہی ساتھ آسمان سے اتریگا" تقریباً اٹھارہ سو برس ہوئے جب مونٹانوس نے ٹھیک وہ مقام بتلا دیا جہاں خدا کا یہ شہر قائم ہوگا تو تمام عیسائیوں کے دلوں میں خوف خدا طاری ہوگیا کہ بس اب دنیا کا خاتمہ ہے بیویوں نے اپنے شوہروں کو چھوڑ دیا اور پوری تمارنیت شروع ہوگئی یعنی اخلاق کی تعلیم انجیل نے دی تھی اسپر لفظاً و معناً عمل ہونے لگا۔ غرض رہون اور لائنس وغیرہ میں ایک آفت برپا ہوگئی؟ یہاں تک کہ ایرینیوس شہر سمرنا سے بھاگ کر وہاں پہونچے کیونکہ علمار کلیسا میں سے سب سے پہلے یہی صاحب تھے جنھوں نے مسیح کی واپسی کا اصول گڑھا تھا، اور یہ اصول تمام عیسائیوں کا جزو ایمان ہوگیا تھا۔

اس پیشینگوئی کے پورا نہ ہونے کا نتیجہ

جب یہ ہنگامہ برپا ہوچکا اور مونٹانوس کی پیشینگوئی بھی پوری نہیں ہوئی تو عیسائیوں کو سخت شرمندگی ہوئی اور انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس کے یہ معنی نہیں ہے کہ یسوع جھوٹے پیغمبر تھے، بلکہ ان کے الفاظ کے لفظی معنی کئے گئے ہیں۔

۵۱ عیسائیوں نے ردم کو نیا یروشلم قرار دیدیا تھا ۵۲ اس کی تفصیل راقم کی کتاب اخبار الاندلس میں قابل دید ہے۔

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

آپ کو تمام مشہور مصنفین کی کتابیں خواہ قدیم ہوں یا جدید فراہم کر سکتی ہے آپ کو جس کتاب کی ضرورت ہو پہلے ہم سے خط و کتابت کیجئے

عمدہ عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

اب لوگوں کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ ان کے الفاظ کے لفظی معنی نہیں کرنے چاہئیں، بلکہ یسوع نے جو کچھ کہا ہے وہ مرموز الفاظ میں کہا ہے "خدا کا شہر" آسمان سے نہیں اترے گا بلکہ اس کے معنی آسمان کے ہیں جہاں وہ برگزیدہ خدا اپنے تقدس کی وجہ سے رہتا ہے اور جب دنیا کا خاتمہ ہو گا تو وہ اور آگے بڑھیگا اور آسمانوں ہی پر خدا کے ساتھ رہیگا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا کا خاتمہ کب ہو گا؟ یہ سوال ایسا ہے کہ جس کے حل کرنے کے لئے عیسائیوں کی نسلیں کی نسلیں گزرتی چلی جا رہی ہیں اور نہیں حل ہوتا، لاکھوں عیسائیوں کی عقلیں ہیں کہ اسی ادھیڑبن کی مصیبت میں گرفتار ہیں اور مصیبت ختم نہیں ہوتی۔ امید یہ کی جا رہی ہے کہ ایک وقت آئیگا کہ یک لخت ایک ہی دن میں ساری بے انصافیوں کا خاتمہ ہو کر انصاف ہو جائیگا۔ مگر کتنے افسوس کا مقام ہے کہ یہ وقت نہیں آتا اور آسمان کے دروازے ہمیشہ کے لئے سختی کے ساتھ بند ہیں کسی ایک عیسائی کو بھی "باپ" کا اعتبار نہیں رہا، کسی کو اس کی طرف سے کوئی موہوم امید بھی باقی نہیں رہی! وہ گونگا، بہرا، اندھا ہے اور اپنے خاص بندوں عیسائیوں کی دعاؤں کی طرف اپنا دل بھی متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ کیا یہودیوں کا تجربہ کافی نہیں ہے کہ ان کا مسیحانہ آیا پر نہ آیا؟ لیکن "بیٹے" سے تو بہت کچھ امیدیں تھیں، کسی طرح وہی اپنا وعدہ پورا کرے اور چلا آئے!

جن لوگوں کے دل اعتقاد سے معمور اور تھوڑی بہت امیدوں سے بھرپور ہیں وہ اب بھی کہے جاتے ہیں کہ "وہ اس طرح آئیگا جیسے رات کو چور؟ ایسے وقت آئیگا کہ کسی کو اس کا انتظار نہ ہو گا" لیکن ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جن کا شیشۂ انتظار و امید بالکل چکنا چور ہو چکا ہے وہ اس کو بھی نہیں مانتے اور کسی نئے تسلی دہندہ کا انتظار کر رہے ہیں۔

یسوع کے بعد روح القدس

ایسی حالت میں طبعی امر یہ ہے کہ ان کی امیدگاہ کچھ اور ہو؟ یعنی تثلیث کی تیسری ہستی روح القدس۔ یہ خیال ابیلارڈ اور اسیسی نے پیدا کیا اور لوگوں کے دلوں میں ڈالا تھا۔ ۱۲۵۴ء میں ان دونوں فرانسسکن علماء نے تو یہاں تک نوبت پہونچا دی تھی کہ انھوں نے پیرس میں یہ اعلان کیا کہ ایک تیسرا "عہد نامہ" شایع کیا جائیگا جو انجیل کا اسی طرح قایم مقام ہو گا جیسا کہ وہ (انجیل) پرانے عہد نامہ کی تھی، چونکہ روح القدس کی کوئی مادی شکل نہیں تھی وہ عوام الناس میں بالکل مقبول نہیں ہوا، اپنے معبود کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں کی، لوگوں کی نگاہ میں روح القدس کی قدر و منزلت کم ہو گئی اس لئے کچھ زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ ایک اور ہستی کا عروج ہوا! وہ کون؟ مریم عذرا!

روح القدس کے بعد مریم عذرا

نوع انسان، سب سے پہلے انسان کے گناہ کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئی اس واسطے یہ ضروری تھا کہ آدم کے گناہ کے واسطے یسوع کفارہ بنیں تاکہ انسان کا جرم انسان ہی کی نیکی سے معاف ہو جائے۔

---

[1] عیسائی عالم الٰہیات کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ جب کسی آیت کی بیہودگی ثابت ہو جاتی ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں آیت خاص مرموز معنی رکھتی ہے اس کے لفظی معنی لینا غلط اور خطرناک ہیں۔

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو سے خرید کیجئے

یہ امر تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ مرد نے گناہ کیا تھا، مگر کیا اس میں عورت شامل نہ تھی؟ کیا وہ عورت ہی نہ تھی جس نے مرد کو اس گناہ کی طرف مائل کیا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عورت ہی نے تو مرد سے گناہ کرایا تھا خواہ بھی ویسی گنہگار تھیں جیسے کہ آدم، بلکہ اور زیادہ اس واسطے انسان کو خدا سے تعلق پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عورت کا بھی کفارہ کیا جائے اسی خیال کے موافق ایک عورت نجات دہندہ کی تلاش ہوئی مریم عذرا اس غرض کے لئے بہت آسانی کے ساتھ موجود تھیں اُن ہی کو انتخاب کر لیا گیا۔

جب یہ ہو چکا تو اب اندھوں کا دیکھنا بہروں کا سننا، لنگڑوں کا چلنا یسوع کے نام اور کام سے نہ ہوگا بلکہ مریم کے نام سے ابتداً عیسائی یسوع کے حمل بلا دنس کے قایل تھے، اور اب ایک نیا افسانہ یہ گڑھا گیا کہ مریم کا ایک کنواری کے پیٹ میں جانا بلا دنس تھا اب ہم کو یہ امید کرنی چاہئے کہ اگر مقدس کنواری کے معاملہ پر غور ہوتا رہا تو اس کا تمام افسانہ یسوعؑ کے افسانہ سے ماخوذ ہوگا، جس طرح کہ خود یسوع کا افسانہ قدیم زمانہ کے تمام دیوتاؤں کے افسانہ سے ماخوذ ہے

فبای حدیث بعدہ یومنون

محمد خلیل الرحمٰن

بھاگلپوری ٹسری ریشمی صافے

ٹسری اور ریشمی صافے یا تھاں برائے کوٹ

قمیص، شیروانی اعلیٰ درجے کے درکار ہیں

تو ہمارے یہاں سے منگا کر استعمال میں لائیے

مولوی کبیر احمد خاں برادرز بھاگلپور سٹی

اندلسیات

یعنی تاریخ اندلس و ہسپانیہ کا بےمثل سلسلہ

اخبار الاندلس :- تین ضخیم جلدوں میں۔ جلد اول میں مسلمانوں کی فتح و عروج، دوسری جلد میں زوال و انحطاط، اور تیسری جلد میں انکی علمی و ادبی ترقیوں کی نہایت دلچسپ و بسیط تاریخ ضبط کی گئی ہے۔ قیمت علی الترتیب دس روپیہ، آٹھ روپیہ سات روپیہ مکمل سٹ بیس روپیہ علاوہ محصول

مولدین۔ ان مسلمانوں کی دردناک تاریخ جو اسپین میں زوال سلطنت اسلامی کے بعد باقی رہ گئے تھے قیمت مع محصول تین روپیہ

نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

رادھا

(افسانہ)

سوبھا پور پر ہنوز تاریکی طاری تھی اور حزین وملول ستاروں کی خنک درخشانی ابھی تک زائل نہ ہوئی تھی، لیکن گاؤں کی گلیوں اور چوپالوں میں آثار حیات پیدا ہو چلے تھے، کیونکہ گاؤں کے رہنے والے جو بہت تڑکے جاگنے کے عادی ہوتے ہیں اس حقیقت سے واقف رہتے ہیں کہ ستاروں کی مضمحل جھلملاہٹ صبح کی نزدیکی کا اعلان ہے۔

آہستہ آہستہ روشنی کی لکیر افق سے نمودار ہو کر پھیلنے لگی، ستارے ——— ایک ایک کر کے غائب ہونے لگے اور رات کی سیاہی رفتہ رفتہ اس طرح گم ہوگئی جیسے کوئی سیاہ چادر تھی جو لپیٹ کر کہیں دور پھینکدی گئی ہو

پھوس کے بے قاعدہ بنے ہوئے جھوپڑے، کچھ پختہ اور کچھ خام دیواروں کے نیچے نیچے مکان، گیہوں کے پکے ہوئے کھیتوں کے درمیان کہیں کہیں نظر آتے تھے اور ان سنہرے کھیتوں کی وسیع فضا سے دور شمال میں برف پوش ابر کی سفید لکیر آسمان کی صاف دھلی ہوئی نیلگونی سے ملکر اس منظر کی تصویر کے لئے نہایت خوشنما بیک گرونڈ بنی ہوئی تھی۔ انھیں کھیتوں کے درمیان سے ایک نظر نہ آنے والا پتلا سا راستہ گاؤں کے بڑے کنوئیں تک جاتا تھا جہاں صبح وشام عورتیں اور بچے پانی بھرنے جمع ہوتے، اور تھوڑی دیر کے لئے اچھا خاصہ ہنگامہ پیدا کر دیتے تھے۔ کلسوں کی آواز، چاندی کے زیوروں کی جھنکار، بچوں کا شور، لڑکیوں کے بے حجاب قہقہے، بہوؤں کی زیر نقاب تبسم آمیز آہستہ آہستہ گفتگو، بڑی بوڑھیوں کے دودھ دہی کے قصے اور کھیتی کے معاملات پر باہم تبادلۂ خیالات، یہ تھے تمام عناصر اُس چہل پہل اور آبادی کے جو گاؤں میں صرف کنوؤں کی جگت پر نظر آسکتی ہے۔

چونکہ ابھی بہت سویرا تھا اس لئے کنوئیں پر دور کے دھندھلکے میں ایک ہی عورت نظر آتی تھی جو سر سے پاؤں تک گاڑھے کے موٹے اور بھدے لباس میں لپٹی ہوئی تھی اور اسی کا گھونگھٹ اس کے چہرہ کو چھپائے تھا۔ اس کے سر پر چمکتا ہوا پیتل کا گھڑا رکھا ہوا تھا۔ اور وہ ایک ایسی انداز رفتار کے ساتھ جسکی نقل ہی نہیں ہوسکتی ایک خاص لچک، نرمی اور بیساختہ پن لئے ہوئے کنوئیں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک ہات اس کا کمر پر تھا اور دوسرے سے گھونگھٹ کئے ہوئے تھی، نہ اس کے حسین بازو پر کوئی زیور تھا، نہ اس کی نازک کلائی میں چوڑیاں تھیں، اور نہ چلنے میں کوئی جھنکار پیدا ہوتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ پاؤں میں خلخال بھی نہیں ہے۔

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہمیشہ عطر منگانا چاہئے

یہ ہندو بیوہ تھی، اپنے شوہر کے موت کی معصوم مجرم تھی، اور ذلت و رسوائی، بیکسی و بیچارگی کی سنسان زندگی صرف موت کی آرزو میں بسر کر رہی تھی، اس کو کتنا زمانہ اس حال میں بسر کرنا تھا؟ اس اٹھارہ سال کی نوجوان بیوہ کو اس کی کیا خبر ہو سکتی تھی! جس کے شباب کا ایک ایک لمحہ پہاڑ بنا ہوا تھا۔

کنوئیں پر پہونچکر گھڑا جگت پر رکھا، گنڈری اتار کے قریب ہی پھینکدی اور کچھ اس انداز سے بیٹھکر دم لینے لگی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ جسم سے زیادہ اس کی روح تھکی ہوئی ہے۔ لیکن اس کے پاس وقت کم تھا اور وہ زیادہ عرصہ تک آرام نہ لے سکتی تھی۔ کیونکہ پانی بھرنے والوں کا ہجوم ہونے ہی والا تھا۔ اور اسے لڑکوں کے مذاق اور سہاگنوں کے طعن و تشنیع سے جو اس کی بدقسمتی اور نحوست پر آوازے کسا کرتی تھیں سخت صدمہ پہونچتا تھا جس سے بچنے کے لئے وہ بہت سویرے آتی اور چکر کاٹ کر سنسان راستے سے واپس جاتی تھی۔

شادی ہونے کے بعد صرف اٹھارہ مہینے تک اس کا محبوب شوہر زندہ رہا اور یہ زمانہ وہ تھا جب وہ اپنے آپ کو گانوں کی نہایت خوش نصیب بہو، گھر کی مسرت، اور شوہر کے دل کی ملکہ سمجھتی تھی، ڈیڑھ سال نہ گزرا تھا کہ دفعتہً اس کا پیارا شوہر گھر کا دیوتا جس کی زندگی سے اس کی مسرت وابستہ تھی دفعتہً بیمار ہوا اور اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا، اس طرح کہ اولاد کی صورت میں اپنی کوئی نشانی بھی اس نے نہ چھوڑی۔ ساس کا یہ طعنہ کہ منحوس میرے بیٹے کو کھا گئی، نندوں کا یہ الزام کہ سبز قدم ہمارے بھائی کو نگل گئی، گانوں والوں کا یہ کہنا کہ گانوں کو ایک خوبصورت نوجوان لڑکے سے محروم کر گئی۔ وہ یہ دل میں زخم ڈالدینے والی باتیں سنتی اور .... کبھی امنڈ کر آنے والے آنسوؤں کو پی جاتی اور کبھی موقعہ ملتا تو کونے میں بیٹھکر ان سے اپنا دامن تر کر لیتی۔ وہ ساس کے مظالم، نندوں کی سختیاں، معاشرت کی ذلت، فاقوں کی تکلیف برداشت کر لیتی، وہ یہ بھی باور کر لیتی کہ ۲۴ گھنٹے تک مسلسل سخت محنت کرنے کے بعد بھی اسے تھکنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن وہ اس الزام کو کسی طرح برداشت نہ کر سکتی تھی کہ شوہر کے موت کا باعث وہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ کیونکر لوگ ایسا کہہ سکتے ہیں جب کہ وہ اپنے شوہر کو بیماری سے بچا لینے یا اب دوبارہ اس کو زندہ دیکھنے کے لئے بدترین طریقہ کی موت بھی نہایت مسرت کے ساتھ قبول کرنے کے لئے آمادہ تھی اور ہے۔ بعض وقت وہ اس خیال سے پاگل ہو جاتی کہ لوگ اسکے درد دکھ کا اندازہ کیوں نہیں کرتے، اس پر جو غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے لوگ اسے کیوں نہیں دیکھتے، وہ جس کرب و درد میں تڑپنے کے لئے تنہا چھوڑ دی گئی ہے اس کی طرف سے دنیا نے کیوں آنکھیں پھیر لی ہیں۔

آج صبح کو جب اس کا حزن و ملال انتہائی حد تک پہونچکر اس کے دل کو بالکل افسردہ کر چکا تھا، اور ضبط اس کے اختیار سے باہر تھا، حسب معمول کنوئیں پر پہونچی اور ڈول کنوئیں کے اندر ڈال کر سوچنے لگی کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ سوچتی

عطر حنا صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بہت عمدہ ہوتا ہے

جاتی تھی اور ڈول ٹپکتا ہوا، کنوئیں کے اندر گرنے والے قطروں سے ایک خاص قسم کی آواز پیدا کرتا ہوا اوپر آرہا تھا جب وہ کنارہ تک آگیا تو یہ اس کے لینے کو جھکی اور اس کے صاف پانی میں اپنی دھندلی سی تصویر اسے نظر آئی وہ پہلے جھجکی اور اسے یقین نہیں آیا کہ اسی کی صورت ہے کیونکہ جب سے اس کا شوہر مرا تھا اس نے کبھی اپنا چہرہ نہیں دیکھا تھا اور اب وہ اپنی صورت سے بھی بالکل ناآشنا ہوگئی تھی۔ اس نے پھر ہمت کرکے اپنا سوگوار مگر جمیل چہرہ اس میں دیکھا اور اس قدر متاثر ہوئی کہ جب ڈول کا پانی گھڑے میں ڈالا تو دو چار قطرے اس کے آنسو کے بھی اس میں شامل ہوگئے۔ اس نے چاہا کہ جھک کر گنڈری سر پر رکھے اور گھڑے کو لیجائے، لیکن وہ پھر رک گئی اور خاموش کھڑی ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

بارہا ایسا ہوا کہ جب وہ کنوئیں پر پانی بھرنے آئی تو واپس جانے کو جی نہ چاہا، آج بھی وہ کنوئیں کے کنارے کھڑی ہوئی کچھ یہی سوچ رہی تھی، اس کا ایک ہات پتھر کے ستون پر تھا اور وہ اندر کی خنک تاریکی کو جھانک رہی تھی کہ ظلم، تکلیف اور بیکسی کی دنیا سے آزاد ہونے کے لئے یہ راستہ کتنا صاف، مختصر، اور آسان ہے۔ صرف ایک لمحہ کی ہمت و جرأت اور چند لمحوں کی جسمانی ایذا پھر اس کے بعد لانہایت سکون۔ ابدی آزادی۔ فراموشی دوام!

وہ جانتی تھی کہ اکثر بدنصیب عورتیں مصائب سر سے گزر جانے کے بعد یہی آسان طریقہ آزادی کا اختیار کرتی ہیں اور خود بھی اس نے آج کی طرح بارہا اس پر عمل کرنا چاہا لیکن ہمیشہ اس کے شباب نے اس کے دل کے اندر سے یہ مخفی پیغام پہونچایا کہ چند دن اور صبر کر، چنانچہ وہ ابتک انتظار کرتی رہی یہانتک کہ اسے آخر کار یہ یقین آگیا کہ اب اگر زندگی کے پاس کوئی انعام مجھے دینے کے لئے ہو سکتا ہے، تو وہ صرف ایک ہی ہے جس کا نام "موت" ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اسے جلد سے جلد نہ حاصل کر لیا جائے۔

یہ خیال کرکے اس نے ستون سے ہات ہٹایا، سیدھی تن کو کھڑی ہوئی اور دونوں ہتھیلیاں آگے کرکے آپس میں ملائیں لیکن جست کرنے سے قبل اس نے یہ یقین حاصل کرنے کے لئے کہ یہاں کوئی اور تو نہیں ہے پیچھے مڑ کر دیکھا ہی تھا کہ ہلکی سی چیخ کے ساتھ اس نے ہات علٰحدہ کر لئے اور شرما کر الگ ہٹ گئی۔

ایک اجنبی ہات اس کے بازو پر تھا جس کے مس نے اس کے چہرہ پر شرم کا ہلکا رنگ دوڑا دیا تھا اور وہ سر جھکائے ہوئے خاموش کھڑی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"رادھا" ——

"رادھا، رادھا، ادھر دیکھو، میری طرف دیکھو" ——

"یہ تم کیوں اسقدر جان سے بیزار ہو، کیا وہ دیویاں جو دنیا میں دلوں پر حکومت کرنے کے لئے

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

آئی ہیں، زندگی کے صحیح لطف سے واقف نہیں ہوتیں"

گزشتہ تین سال کے عہد بیوگی میں یہ پہلے الفاظ محبت و خلوص تھے جو اس کے کانوں میں پڑے۔ باوجود اس کے کہ وہ حد درجہ شرمیلی اور عفت مآب تھی، لیکن ان الفاظ نے اس کے روح پر وہی اثر کیا جو خشک کھیتی پر بارش کا پہلا چھینٹا کرتا ہے وہ دماغ میں نشہ سا محسوس کرنے لگی، ایک خاص لذت دل میں پیدا ہوئی، دیکھنے لگی، تھوڑی دیر تک خاموش رہی صورت حال پر غور کرتی رہی، مختلف کیفیت کا تجربہ کرتی رہی اور جب اجنبی کے بار بار اصرار نے اسے یقین دلا دیا کہ وہ بغیر جواب لئے یہاں سے نہ جائے گا، مجبور ہو کر بولی کہ "تمھیں نہیں معلوم کہ میں بیوہ ہوں۔ حقیقی موت تو مجھ پر تین سال ہوئے جبھی طاری ہو چکی تھی۔ اس لئے اب جسمانی موت کا مجھے کیا ڈر ہو سکتا ہے۔ جاؤ اپنی راہ لو، اور مجھے مرنے دو، تم کیوں ایسی بدنصیب کے لئے اپنا دل دکھاتے ہو"۔

یہ کہکر وہ ہٹی اور پھر اس نے وہی ارادہ کیا جو پہلے کیا تھا لیکن اجنبی نے اسے پھر روکا، زیادہ مضبوط گرفت کے ساتھ روکا اور بولا "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، تیری اور موت کے درمیاں میں اپنا جسم حائل کر دونگا، میں گانوں کے جاہل لوگوں کی طرح نہیں ہوں، میں نے کتابیں پڑھی ہیں، بہت سے شہروں میں پھرا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ بیوہ لڑکیوں کے ساتھ کیسا بُرا سلوک کرتے ہیں لیکن میں تو تجھپر کوئی الزام نہیں رکھتا، تجھے منحوس نہیں کہتا، میں تو تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ تیرے سامنے اس دل کو پیش کرتا ہوں جسپر اس سے قبل کسی نے حکومت نہ کی تھی"۔

وہ اپنے جذبات شباب کو اس طرح آہستہ آہستہ قوی الفاظ میں ظاہر کرتا جا رہا تھا کہ دور سے کسی عورت کے قہقہہ کی آواز آئی اور رادھا گھبرا کر بولی کہ "الگ ہو جاؤ، دیکھو وہ خوش نصیب سہاگنیں ہنستی بولتی آ رہی ہیں ان سے مذاق کرو مجھے تنہا چھوڑ دو"۔

—— "کبھی نہیں، میں اسوقت تک نہ جاؤنگا جب تک تم اپنے ارادہ سے باز آ کر قسم نہ کھاؤ گی، کیونکہ مجھے تم سے پھر ملنا ہے"۔

—— "اچھا جاؤ میں قسم کھاتی ہوں"۔

—— "تم یہاں روز آتی ہو"۔

—— "ہاں، اچھا تم ہٹو تو سہی"

دو جست کے بعد نوجوان قریب کے کھیت میں غائب ہو گیا، اور رادھا دھوپ میں اپنا چمکتا ہوا گھڑا لئے ہوئے اسطرح دیر تک کھڑی رہی جیسے اسے گہرے خواب سے کسی نے بیدار کر دیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد جب عورتوں کی آواز قدم اور قریب آئی تو اسے ہوش آیا اور اس نے کھیت کے اس حصہ پر نگاہ ڈالتے ہوئے جسمیں وہ اجنبی غائب ہوا تھا گھڑا سنبھالا اور جلدی

مشکی زردہ صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خریدنا چاہئے

جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی گھر کی طرف چلدی۔

(۲)

مئی کی گرمی ہے اور صبح سے رادھا حسب معمول گھر جھاڑنے، کھانا پکانے، برتن مانجنے، اور سینے پرونے میں مشغول ہے، لیکن آج اس کا دل نسبتاً مطمئن ہے اور وہ ایسا محسوس کر رہی ہے جیسے اس کے گرتے ہوئے جسم کو کسی نے سہارا دیدیا ہو، ساس نندیں بدستور برا بھلا کہہ رہی ہیں، جھڑک رہی ہیں، برہم ہو رہی ہیں، لیکن وہ دیکھتی ہے کہ آج طعن تشنیع کے الفاظ میں وہ نیش نہیں رہا جو پہلے پایا جاتا تھا اور نہ گھر والوں کے چین پیشانی میں اتنا زہر اسے ملا ہوا نظر آتا ہے۔ کیونکہ اسکے دماغ کے سامنے اگر کوئی چیز تھی تو صرف اجنبی کے یہ الفاظ کہ "میں پھر تجھ سے ملونگا، میں تجھے منحوس نہیں سمجھتا"

اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ شادی کی کوئی امید نہیں۔ پھر اس کے آگے اسنے کچھ سوچنا بھی نہیں چاہا۔ اس کا دماغ منتشر تھا، اس کے دل میں کوئی ایسی تمنا پیدا ہو رہی تھی جس کو وہ کسی نام سے موسوم نہ کر سکتی تھی، ایک نیلگوں چادر پر اسکے ہات کے سریع حرکت ٹانکے پر ٹانکے چھوڑتی جا رہی تھی اور ہر مرتبہ جب اس کی جنگلی سوئی کو کپڑے سے نکال کر باہر لاتی تھی تو یہ خیال ساتھ ساتھ ہوتا تھا کہ "کیا واقعی کل کا دن آئے گا، کیا حقیقتاً کل وہ مجھ سے پھر ملیگا"

آفتاب کی پہلی کرن طلوع ہوئی تھی کہ رادھا حسب معمول کنوئیں پر پہنچی اور اس نے پھر ستون کا سہارا لیا اور پھر کنوئیں کے اندر تاریک پانی کو دیکھا جس نے ۲۴ گھنٹہ قبل ایک خاص کشش اپنے اندر ظاہر کی تھی وہ پانی کو دیکھکر مسکرائی ہلکی سی جنبش گردن کو دی اور ادھر ادھر کی فضا میں نگاہ ڈالتی ہوئی ڈول کو آہستہ آہستہ کنوئیں میں ڈالا۔

—— کوئی حرکت نہیں، کوئی علامت حیات نہیں ——!

لیکن ابھی بہت سویرا تھا۔ دھوپ ابھی درختوں کی چوٹیوں سے نیچے نہیں اتری تھی اپنا ڈول بھر بھر کر گھڑے میں ڈالتی جاتی تھی اور یہی سوچ رہی تھی۔ آج گھڑا بھرنے میں معمول سے زیادہ دیر لگی، اس نے بہت جی لگا کر پانی بھرا، آج اسے یہاں زیادہ ٹھہرنے میں تکلیف بھی نہیں ہوئی، لیکن پھر بھی آخر کب تک، روشنی بڑھتی جا رہی تھی اور وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں اس اجنبی کا بھی وعدہ ویسا ہی ضعیف نہ ثابت ہو۔

جیسا کہ اس کے شوہر کے حیات کا پیمان وفا۔ وہ پانی بھرنے کے بعد ایک ہات کمر پر اور دوسرا گھڑے پر رکھے ہوئے کھڑی تھی اور انتظار کر رہی تھی اس حال میں کہ اس کی آنکھیں قصداً قریب کے کھیت سے پھری ہوئی تھیں اور دل میں کہہ رہی تھی

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر نہایت نفیس ہوتا ہے

کہ آج آفتاب کس قدر جلد بلند ہوتا جا رہا ہے ابھی تک کنویں پر کوئی اور نہ تھا اور دور دور کسی آدمی کا پتہ نہ تھا کووں کا ایک جھنڈ شور کرتا ہوا اس کے سر سے گزرتا ہوا گاؤں کی طرف چلدیا پھر دور سے چیل کی غمگین آواز سنائی دی اور پھر اسکے منھ سے بھی مایوسی کی ایک سانس نکلی وہ گھڑے کو اٹھانے کیلئے مڑی تھی کہ اجنبی اس کے سامنے اور وہ ایک سنگین بت کی طرح بے حس و حرکت ہوگئی ۔خوشی کی ہلکی چیخ کے ساتھ وہ اس کے پہلو کی طرف آیا ۔لیکن رادھا ۔اس جرأت سے شرماکر جس سے کام لیکر اس نے اجنبی کی پزیرائی کی تھی، چہرہ کو گھونگھٹ میں چھپالیا اور اسکی حریص نگاہوں کے سامنے سے اپنی صورت ہٹالی ۔

اجنبی ایک ہلکی ہنسی کے ساتھ اس ادا پر ہنسا اور ہات بڑھاکر اس کا گھونگھٹ علیحدہ کردیا اور شانہ پر ہات رکھ کر بولا "کیوں رادھا، تم نہیں چاہتی کہ میں تمھاری صورت دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دوں، کیا تم کو میری مسرتوں کے خون کردینے پر کچھ افسوس نہ ہوگا"

محبت بھرے لب و لہجہ کے جوش اور "مضبوط مردانہ ہات کے گرفت نے دفعتہً" رادھا کے اندر اس "عورت" کو بیدار کردیا جو اس کے دل میں سورہی تھی آخرکار وہ آپ کو اس خوش بختی کے سپرد کردینے پر مجبور ہوہی گئی ۔

اکثر بلکہ روز صبح کو رادھا اس اجنبی سے ملتی اور اس ایک گھنٹہ کی مسرت اس کے لئے بادۂ صبوحی سے کم نہ ہوتی تھی جس کے نشہ میں وہ دن کے بقیہ گھنٹوں کی محنت و تکلیف گویا بالکل بھول جاتی تھی ۔وہ موجودہ زندگی پر بالکل قانع تھی اور اس سے زیادہ انعام وہ خدا سے کوئی نہ چاہتی تھی کہ یہی حالت جس نے اس کے شباب کو از سرنو زندہ کردیا تھا عرصہ تک قائم رہے ،لیکن گوپال چونکہ مرد تھا اس لئے صرف اسیر قناعت نہ کرسکتا تھا ۔اس نے ایک صبح کہا "اے رادھا اس طرح زندگی کب تک بسر ہوسکے گی کیوں نہ اب ہم تم ایک ہوکر باہم آزادی کے ساتھ زندگی بسر کریں" یہ کہکر اس نے اپنی آغوش میں اس کی کمر کو لینا چاہا، لیکن جھجک کر علیحدہ ہوگئی اور بولی "گوپال یہ کیا کہتے ہو تمھارا اس سے کیا مطلب ہے ۔میں بیوہ ہوں، اس لئے کیونکر تمھارے ساتھ رہ سکتی ہوں ۔کاش میں نے تمھیں نہ دیکھا ہوتا"

یہ کہکر اس نے اپنا سر گوپال کے شانہ پر ڈالدیا اور ایک بچہ کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی "

"دیکھو، میں نے ایک تدبیر سوچی ہے ۔یہ سچ ہے کہ ہم کھتریوں میں بیوہ کی شادی کا دستور نہیں ہے، لیکن کیوں سکھوں کے اصول کے مطابق تمھارے سر پر ایک زعفرانی چادر ڈال کر ہمیشہ کے لئے تمھیں اپنا بنالوں اس کے لئے ایک گواہ کی ضرورت ہوتی ہے کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو تمھاری طرف سے گواہ کی خدمت انجام دے اور کسی سے اس کا ذکر نہ آئے "

"ہاں ہے میں ایسی ایک عورت سے واقف ہوں، لیکن گوپال سچ بتاؤ کیا اس وقت دنیا میں کوئی عورت ایسی نہیں ہے

ہر قسم کی خوشبو اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

جس کے حقوق مجھ سے فائق ہوں "۔

"نہیں نہ میرے بیوی ہے نہ ماں، عرصہ ہوا دونوں مر چکی ہیں"

"لیکن یہ تو سوچ لو کہ ایسا کرنے سے تم برادری سے خارج ہو جاؤ گے، ذلیل ہو جاؤ گے، کوئی تم سے بات کرنا پسند نہ کریگا کیونکہ میرے خسر سے سب ڈرتے ہیں۔ علاوہ اس کے میرے خسر کو معلوم ہو گا تو وہ تم کو مار ڈالیگا ـــــ نہیں گوپال، میں تمھاری زندگی کو خطرہ میں نہ ڈالونگی، ایک دفعہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ مرد کی زندگی عورت کے لئے کسقدر ضروری ہے"

"رادھا، یہ کیا کہتی ہو، لیکن برادری کس کی ذات پات، میں کسی کی پروا نہیں کرتا میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں تمھیں لیکر کہیں دور چلا جاؤنگا اور پھر چند دن کے بعد دنیا اس قصہ کو فراموش کر دیگی اور کسی کو خیال بھی نہ آئے گا کہ رادھا کون تھی اور کہاں چلی گئی۔

(۳)

رات کے دو بجے ہیں اور سارے گاؤں کے لوگ چاندنی رات میں آسمان کے نیچے غافل و مدہوش پڑے ہوئے ہیں۔ مٹی کی چھتوں پر، گلیوں میں، مکانوں کے صحن میں، کہیں قطار در قطار، کہیں جھنڈ کی صورت میں چادر لپیٹے ہوئے لوگ سو رہے ہیں دفعتہً گنپت رام کے مکان میں دالان کے اندر سے سفید چادر میں لپٹی ہوئی ایک عورت نکلی آہستہ آہستہ چاندنی میں آئی اور کچھ جھجکتی ہوئی گھر سے باہر نکلی

رادھا کے لئے گھر سے چھپ کر نکلنا بہت آسان تھا کیونکہ اس کو اجازت نہ تھی کہ وہ سب کے ساتھ کوٹھے پر سوئے بلکہ گرمی کے ایام میں بھی وہ نیچے کوٹھری میں تنہا سلائی جاتی تھی۔ جس وقت وہ باہر نکلی تو اس کی سہیلی انندا جس نے اس کی طرف سے گواہ بننے کا وعدہ کیا تھا موجود تھی۔ یہ دونوں آہستہ آہستہ چاندنی سے بچتی ہوئی، درختوں کا سایہ ڈھونڈھتی ہوئی چلیں اور جب گاؤں سے باہر ہو گئیں تو انھوں نے اطمینان کی سانس لی گوپال ایک یکہ لئے ہوئے وہاں موجود تھا اس نے فوراً زعفران سے رنگی ہوئی چادر رادھا کے سر پر ڈالی اور گود میں اٹھا کر یکہ میں بٹھایا، رادھا نے انندا پر آخری نگاہِ رخصت ڈالی اور یکہ روانہ ہو گیا۔ ....

....

موضع ریواں کے زمیندار انند رام کے کوٹھے پر چار عورتیں ایک حلقہ میں بیٹھی ہوئی گاؤں کے واقعات وحالات کا ذکر کر رہی ہیں۔ اگست کے مہینے کا آفتاب ایک گھنٹہ ہوا کہ غروب ہو چکا ہے لیکن ابھی تک اس کی گرمی باقی ہے۔

ایک ۱۶ سال کی نوجوان لڑکی نے انگلی اٹھا کر کہا " یہ بالکل صحیح خبر ہے، میں نے جمنا سے سنا اور جمنا نے خود گنگا دیں سے کہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کی خوشبو ملتی ہے

رادھا بیوی نہیں ہے بلکہ وہ تو بیوہ ہے۔ کیسی شرم کی بات ہے چار مہینے ہوئے کہ وہ ہم سے ایسی گھل مل گئی کہ ہم اس کو بالکل اپنا ہی سمجھے۔ سوبھا پور سے ایک آدمی گنگا دین کے یہاں آیا تھا اور اس سے معلوم ہوا کہ گوپال اپنے گانوں سے ایک بیوہ کو لیکر بھاگ گیا اور پتہ نہیں کہ کہاں ہے۔ ایک بڑھیا نے سنکر کہا۔ "ہے، ہے، یہ مرد بھی کتنے بیوقوف ہیں۔ کیا انھیں کنواری لڑکیاں نہیں ملتیں جو ایسی نازیبا حرکتیں کرتے ہیں۔ جب برادری سے خارج ہو جائیں گے۔

"جب سارے کھتری اس کی دوکان سے چیزیں لینا چھوڑ دیں گے، جب برادری میں کھانا پینا بند ہو جائیگا اس وقت ہوش آئیگا اور تب معلوم ہوگا کہ خوبصورت چہرہ زیادہ قابل قدر چیز ہے یا خوبصورت سکہ"

اگر اس بڑھیا کا کہنا لفظ بہ لفظ صحیح نہیں نکلا، تو قریب قریب اس کے ضرور ہوا کیونکہ رفتہ رفتہ جب گانوں والوں کو سارا حال معلوم ہوا تو سب نے متفقہ طور پر گوپال کو چھوڑ دیا اور اس سے کاروبار بند کر دیا چونکہ گوپال ذرا ضدی طبیعت کا انسان تھا اس لئے اول اول تو اس نے جرارت کے ساتھ ان تکالیف کا مقابلہ کیا اور رادھا سے اپنے مصائب کو چھپاتا رہا لیکن کب تک۔ ایک وقت آیا کہ اس نے حقیقت کی تلخی کو شدت سے محسوس کرنا شروع کیا اور رادھا بھی سمجھ گئی کہ گوپال کسی خاص فکر میں مبتلا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رادھا کی محبت بدستور اپنے حال پر قائم تھی۔ اس کی پرستاریوں کا وہی عالم تھا۔ لیکن ایک مرد تو عورت کی طرح صرف محبت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا، اس لئے گوپال کبھی کبھی رات کی بے چین کروٹوں میں اُس لمحہ پر تنقید کیا کرتا تھا جب اول اول رادھا کی موہنی صورت دیکھ کر عقل و حواس کھو بیٹھا تھا

ہوا بند تھی اور اگست کی گرمی شباب پر کہ ایک شام کو گوپال نے سوسائٹی کے متفقہ قوت کے سامنے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا۔ صحن میں تنہا کھڑا ہوا ایک چھوٹے سے سرخ کاغذ کو دیکھ رہا تھا جو اس کے ہات میں دیا گیا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ یہ چین کی نیند سلا دینے کے لئے کافی ہے اور اس سے بہتر ذریعہ تکالیف و مصائب کے دور کرنے کا اور کوئی نہیں ہوا تھا۔ چار راتیں گزر گئی تھیں کہ اس کی پلک سے پلک نہیں لگی تھی اور آخر کار جب پانچویں رات آئی تو اس کے ہمتوں نے جواب دیدیا وہ ایک دکان سے افیون لے آیا مگر صرف اس خیال سے کہ روزانہ شام کو تھوڑی سی کھا لیا کریگا تاکہ نیند آجائے، لیکن پھر اس نے سوچا کہ کیوں نہ دفعتہً اس کو کھائے تاکہ پھر وہ کبھی نہ جاگ سکے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر میں مر گیا تو بھی دنیا کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے اور کون مجھ پر رونے والا بیٹھا ہے، لیکن فوراً اسے رادھا کا خیال آیا اور اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اتنے ہی میں رادھا آگئی اور گوپال نے اس اضطراب کے ساتھ جو مجرم کی طرف سے ہمیشہ ظاہر ہوتی ہے اپنی مٹھی بند کر لی تاکہ رادھا افیون کو نہ دیکھ سکے، مگر چونکہ محبت کی نگاہ بہت تیز ہوتی ہے اس لئے اس نے دیکھ لیا کہ کوئی چیز مٹھی میں اس نے چھپائی ہے اور اس نے گھبرا کر دریافت کیا 'یہ کیا ہے؟ تم کیوں ایسے گھبرائے ہوئے ہو۔ کیا تمھاری

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ بہت مشہور ہے

طبیعت اچھی نہیں ہے کیا تم کوئی دوا لائے ہو"

وہ یہ سنکر مایوسی کی ہنسی ہنسا اور بولا "ہاں یہ ایک دوا ہے جو ہمیشہ کے لئے میری بیماریوں کو دور کردیگی" رادھا کے سمجھنے کے لئے اس کی ہنسی کافی تھی، وہ فوراً سمجھ گئی اور تھوڑی دیر تک حیرت سے اس کا منھ تکتی رہی اور موقع کی اہمیت اور وقت کی نزاکت کا خیال کرکے اس نے اس کی مٹھی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور گوپال کے چہرہ پر نگاہ تجسس ڈالتی ہوئی بولی "کیوں صاحب" کیا ارادہ تھا، تم نے مجھ سے کیوں چھپایا کیا تم مجھ کو تنہا چھوڑ کر آرام کی نیند سونا چاہتے تھے، کیا انصاف اسی کو کہتے ہیں؟ بولو۔ اب بولتے کیوں نہیں ہو۔

رادھا کی صورت اور اس کے غیر معمولی محبت نے گوپال کو پھر بزدل بنا دیا اور بولا کہ "میں تم سے جھوٹ نہ بولوں گا واقعی میرا یہی ارادہ تھا اور اب بھی یہی ہے کیونکہ تکلیفیں حد سے گزر گئی ہیں اور میں بالکل مجبور ہوں، یہ سنکر رادھا بے اختیار اس کے قدموں پر گر پڑی اور بولی کہ "یہ ساری مصیبت میری ہی لائی ہوئی ہے، اور میں بہت شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے تم پر ایسا سخت وقت آ کر پڑا، لیکن یہ تو دیکھو کہ اگر تم کو میری محبت عزیز نہیں ہے اور تم صرف میری وجہ سے اپنی زندگی کو ضروری نہیں سمجھتے، تو اس ہستی کے لئے زندہ رہو جو بہت جلد ہم دو کو تین بنا دینے والی ہے اس کی سیاہ آنکھیں جو محبت کے جذبہ سے چمک رہی تھیں اور جن میں اسوقت انتہا سے زیادہ حکم و فرمان کی کیفیت پیدا تھی، اور پر اٹھیں جن کو دیکھتے ہی گوپال کی مٹھی ڈھیلی ہوگئی اور رادھا نے فوراً وہ پڑیا لیکر اپنے آنچل میں باندھ لی۔

(۴)

گوپال اپنی تجارت اور مال و اسباب کے نقصان کو گوارا کرکے رادھا کو ساتھ لیکر دور کسی گاؤں میں چلا گیا اور اس میں شک نہیں کہ جس مشقت و محنت کی زندگی وہ بسر کر رہا ہے وہ ایک شخص کے لئے حد درجہ تکلیف دہ ہوگئی ہے لیکن جسوقت وہ دن بھر کی مزدوری کے بعد شام کو گھر آتا ہے اور ننھا سا بچہ ہمک کر اس کی گود میں جاتا ہے تو رادھا کا وہ محبت بھرا تبسم جس سے زیادہ تسکین دینے والی چیز دنیا میں کوئی نہیں ہوسکتی، تمام تکلیفوں کو محو کردیتی ہے اور صبح کو پھر وہ تازہ قوت کے ساتھ زمین کھودنے اور پتھر کاٹنے کے لئے رادھا پر محبت بھری نگاہ ڈالتا ہوا روانہ ہوجاتا ہے۔

علامہ جرجی زیدان اڈیٹر الہلال مصر کے چار نہایت مشہور عربی ناولوں کا ترجمہ

حجاج بن یوسف عہ، عروس مصر عہ، عبد الرحمن ناصر عہ، امین بک ۱۲؍ منیجر نگار لکھنؤ

نہایت عمدہ عطر ملنے کی جگہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

غالب۔مومن۔ذوق

یہ تینوں بزرگ ہم عصر تھے اور مسلم استاد۔ سب کی زبان شستہ اور بندشیں پختہ لیکن استادی کا خاتمہ یہیں تہیں ہوجاتا شاعری اور اصلی شاعری کی وسعتیں اور آگے بڑھتی ہیں اس کے لئے شاعرانہ مشاقی، پرگوئی، زود گوئی بلکہ صرف خوشگوئی بھی کافی نہیں شاعری ذہن کا زمانہ زرین ہے۔ وہ تخیل کے پروں سے اڑتی اور فضائے روحانی میں چکر لگاتی ہے۔ شاعری ایک نغمہ ہے کہ ہر شخص اسکو سن سکتا ہے۔ لیکن کم لوگ ہیں جو اس سے حقیقی لطف حاصل کر سکتے ہیں اور بہت کم ہیں جو اسکو گا سکتے ہیں نفس شاعری ردیف وقافیہ، وزن وبحر کی قیود سے بھی آزاد ہے۔ ہر اچھوتا خیال ایک شعر ہے اور ہر خوبصورت اظہار جذبات ایک غزل لیکن اس میں شاعری بحر و وزن اور قافیہ و ردیف کی محتاج ہے اور بے شبہہ یہ چیزیں اس کے لئے زینت و آرائش ہیں شاعری اصل میں جذبات کو نغمہ کی شکل دیدینے کا نام ہے۔ یا دل کو الفاظ کی صورت میں منتقل کر دینے کے لئے جو مناسب ہو اور الفاظ جو موزوں ہوں۔ لیکن اس میں شاعری عموماً اسی طرح کی جاتی ہے کہ ایک قافیہ کو ذہن میں رکھکر اس کے متعلق مضمون تلاش اور نظم کیا جاتا ہے یہ صورت بھی شاعر کے مخصوص اسلوب بیان اور پایۂ تخئیل کے اظہار میں مانع نہیں ہوتی شاعر ہر حالتیں شاعر ہے اور اس کی خصوصیات ہر جگہ نمایاں۔

ہم بحر وہم قافیہ اشعار میں مختلف شاعروں کی رسائی فکر و رفعت تخئیل، تلاش الفاظ و اسلوب بیان کے مقابلہ کا خوب موقع ملتا ہے۔ نمونہ کے طور پر ہم غالب۔ مومن اور ذوق کے چند اشعار کا موازنہ کرتے ہیں، غالب شاعری کے لئے پیدا ہوئے تھے اور شاعری اُن کے لئے ان کے علو تخئیل کا یہ عالم ہے کہ دلی سے لیکر آج تک یہ بلندی کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ مومن بھی شاعرانہ طبیعت اور عاشقانہ دل لائے تھے ان کی طبیعت میں ایک مزہ تھا اور یہ سچ ہے کہ لطافت تخئیل، رفعت فکر اور جدت بیان میں غالب کے بعد مومن ہی کا درجہ ہے۔ ذوق صرف مشاق تھے قادر الکلام تھے، استاد تھے اور بس انکی پرواز سطح زمیں سے صرف چند گز بلند ہے۔ ماوراء السحاب و مافوق السماء ان کی رسائی سے بلند تر ہیں۔ زبان پر ان کے بڑے احسانات ہیں لیکن حقیقت شعری ان کی ممنون نہیں وہ ان دل والوں میں نہ تھے جن کی ہر آہ مرثیۂ دل اور ہر کراہ دیوان درد ہوتی ہے۔ ان کی طبیعت میں مزہ نہ تھا اسی لئے ان کی شاعری بھی بے مزہ ہے۔

زمین مقابلہ (زباں کے لئے۔ فغاں کے لئے) میں غالب کے ۱۴ شعر ہیں جنمیں ۵ شعر کا قطعہ مدحیہ شامل ہے۔ مومن کے ۱۴ ذوق کے ۲۸۔ غالب کا گہرا رنگ یہاں نہیں ہے۔ مومن کی رنگینی بڑی حد تک روشن ہے۔ ذوق اپنی پوری رنگا رنگی کیساتھ

ہر قسم کی تماکو خوردنی منگانے کا پتہ صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

چمک رہے ہیں۔ بہت زور لگایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ خوب خوب شعر نکالے ہیں، لیکن بس شعر ہی شعر ہیں، شاعری کچھ نہیں

ذوق نے "آسمان" کا قافیہ چار جگہ باندھا ہے

نہیں ثبات بلندی عز و شاں کیلئے — کہ ساتھ اوج کی پستی ہو آسماں کیلئے
ہزار لطف ہیں جو ہر ستم میں جاں کیلئے — ستم شریک ہوا کون آسماں کیلئے
دم عروج ہو کیا فکر نردباں کیلئے — کمند آہ تو ہے بام آسماں کیلئے
بلند ہووے اگر کوئی میرا شعلۂ آہ — تو ایک اور ہو خورشید آسماں کیلئے

چاروں شعروں میں کوئی بلند اور نیا خیال نہیں۔ صرف "ہزار لطف" والے شعر میں البتہ ایک لطف ہے۔ مومن نے ایک بات پیدا کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

نہ پائے یار کے بوسہ نہ آستاں کیلئے — عبث میں خاک ہوا میل آسماں کیلئے

لیکن غالب کا مطلع اور تخیل کا عجیب نمونہ ہے۔ ذوق کے "پر لطف" شعر کے ساتھ پڑھیے اور دونوں کو بار بار پڑھ کر موازنہ کا لطف اٹھائیے کہتے ہیں

نوید امن ہے بیداد دوست جاں کیلئے — رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کیلئے

اب تینوں کی "زباں" آرائی ملاحظہ ہو۔ ذوق کہتے ہیں

مزی یہ دل کیلئے تھے نہ تجھے زباں کیلئے — سو دل میں ہم نے مزی سوزش نہاں کیلئے
بیاں درد محبت جو ہو تو کیونکر ہو — زباں نہ دل کے لئے ہے نہ دل زباں کیلئے

وہی موجیں ہیں کہ سطح آب سے بلند نہیں ہوتیں

مومن کا شعر ہے اور کس قدر بامزہ ہے

مزہ یہ شکوے میں آیا کہ بے مزہ ہوی وہ — میں تلخ کام رہا لذت زباں کیلئے

مضمون کی شگفتگی کے ساتھ مزہ اور بے مزہ کا تفاوت "تلخ کام" کا انتخاب اور "لذت زباں" کی ایجاد بھی دیکھئے غالب کے ہاں یہ قافیہ قطعہ مدحیہ میں ہے۔ لیکن رنگ غزل سے خالی نہیں اور اپنے لطف بیاں کے سبب سے قبول عام و بقائے دوام کا مالک ہے۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

ہم‌عناں کا قافیہ دیکھئے۔ ذوق کے ہاں پھر وہی قافیہ پیمائی ہے

عمدہ عطر کہاں ملتا ہے اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

صبا جو آئے خس و خار گلستاں کیلئے   قفس میں کیوں کہ نہ پھڑکے دل آشیاں کیلئے

مومن کا مضمون دیکھئے۔

کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ امن قفس!   ہے بیم برق بلا روز آشیاں کیلئے

غالب نے خوب مثال پیدا کی ہے۔

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر   کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کیلئے

"جاوداں" کے قافیہ میں ذوق نے بہت زور لگا کر ایک بات پیدا کی ہے

اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس   بہشت ہے ہمیں آرام جاوداں کیلئے

مومن نے بھی اس قافیہ پر پوری قوت صرف کی ہے۔ لیکن اس "کوہ کندن" کا نتیجہ "کاہ برآوردن" نہیں ہوا بلکہ اپنے زور ایجاد سے دلچسپ مضمون پیدا کر سکے۔ فرماتے ہیں۔

خلاف وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں   امید یک شبہ ہے یاس جاوداں کے لئے

غالب نے جو شعر کہا ہے وہ اس قدر بیساختہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہنے میں ایک منٹ بھی صرف نہ ہوا ہوگا۔ خضر کا مضمون عام ہے لیکن شاعری کی جدت طرازی نے شوخ مقابلہ کرکے خوب شعر بنا دیا ہے "چور بنے" کا ٹکڑا بہت پرلطف ہے سنئے۔

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر   نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کیلئے

"امتحان" کا قافیہ ذوق کے ہاں دیکھئے۔ ذہن کی رسائی کہیں تک ہے

وہ مول لیتے ہیں جس دم کوئی نئی تلوار   لگاتے پہلے مجھی پر ہیں امتحاں کے لئے

مومن کا اسلوب بیان قابل دید ہے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے   ہمیں بھی دینی تھی جاں اک امتحاں کیلئے

غالب کا مضمون اور انداز بیاں غالب ہی کا حصہ ہے

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں   دراز دستی قاتل کے امتحاں کیلئے

"جہاں" کا قافیہ ذوق نظم فرماتے ہیں۔

بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف   اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کیلئے

خالص میاں جی گری ہے۔

مومن کی وارفتگی ملاحظہ ہو کیا خوب کہا ہے۔

ہر قسم کا عطر و تیل اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو سے منگانا چاہیے

جنونِ عشق ازل ہے کیوں نہ خاک اڑائیں ہم جہاں میں آئے ہیں ویرانیِ جہاں کے لئے

غالب کی جو بات ہے نرالی ہے۔ رشک کے عجیب عجیب مضمون لکھے ہیں کہ اکثر شاعروں کا تصور بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا انھیں عجائبات میں سے ایک اعجوبۂ روزگار یہ بھی ہے

رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک بلائے جان ہے ادا تیری اک جہاں کے لئے

تینوں کے ہم قافیہ اشعار یہی تھے۔ ان سے تینوں کی ذہنیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور اب دو دو کا مقابلہ دیکھئے بعض قافیے مومن و ذوق نے لکھے ہیں غالب نے نہیں لکھے۔ بعض غالب و مومن کے ہاں ہیں ذوق کے ہاں نہیں۔ مرگ ناگہاں کا بہانہ ذوق و مومن دونوں نے تلاش کیا ہے ذوق نے صرف سامنے پڑی ہوئی چیز اٹھالی ہے مومن نے اپنے سحر سے اس کو گلدستہ بنا دیا ہے ذوق لکھتے ہیں

اشارہ چشم کا تیری یکایک ہو قاتل ہوا بہانہ مری مرگ ناگہاں کیلئے

مومن کا شعر ہے

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کیلئے سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کیلئے

"فغاں" کا قافیہ دیکھئے

ذوق :- مثال نے ہے مرا جب تلک کہ دم میں دم فغاں ہے میرے لئے اور میں فغاں کے لئے

"دم میں دم" کو پھر ایک مرتبہ پڑھکر دیکھ لیجئے

مومن :- حجاب چرخ بلا ہے ہوا کرے بیتاب فغاں اثر کے لئے اور اثر فغاں کے لئے

غالب و مومن کے ہاں ایک قافیہ "پاسباں" کا مشترک ہے۔ مومن کے نشتر چنے جائیں تو ان میں ایک تیز نشتر یہ ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی فرماتے ہیں۔

ہے غنیمت دمِ بختِ خفتہ پر کیسا کیا وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کے لئے

غالب نے بھی جو مضمون نکالا ہے اور جس انداز سے لکھا ہے اس کے مزے دل ہی لیتا ہے۔ زبانِ قلم قاصر ہے۔

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

اگر تینوں غزلوں کے ۵-۵ شعر ملا کر ایک غزل فرض کر لی جائے تو اس میں یہی دو شعر انتخاب ہیں۔ مقابلہ ختم ہوا اب تینوں غزلوں کے باقی شعر بھی سن لیجئے کہ ان میں اچھے شعر بھی موجود ہیں۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو سے عمدہ تیل منگائیے

ذوق

فروغ عشق سو ہے روشنی جہاں کیلئے   یہی چراغ ہے اس تیرہ خاکداں کیلئے
سدا تپش پہ تپش ہے دل تپاں کیلئے   ہمیشہ غم پہ ہے غم جان ناتواں کیلئے
حجر کے چومنے ہی پر ہے حج کعبہ اگر   تو بوسے ہم نے بھی اس سنگ آستاں کے لئے
نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شے   عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کے لئے
جو پاس مہر و محبت کہیں یہاں بکتا   تو مول لیتے کسی اپنے مہرباں کے لئے
خلش ہے عشق کی ہے خار پیرہن تن زار   ہمیشہ اس ترے مجنون ناتواں کے لئے
تپش سے عشق کی یہ حال ہے مرا گویا   بجائے مغز ہے سیماب استخواں کے لئے
مرے مزار پہ کس وجہ سے نہ برسے نور   کہ جان دی ترے روئے عرق فشاں کے لئے
الٰہی کان میں کیا اس صنم نے پھونک دیا   کہ ہاتھ رکھتے ہیں کانوں پہ سب اذاں کے لئے
نہیں ہے خانہ بدوشوں کو حاجت ساماں   اثاثہ چاہیئے کیسا خانہ کماں کے لئے
نہ دل رہا نہ جگر دونوں جل کے خاک ہوئے   رہا ہے سینہ میں کیا چشم خونفشاں کیلئے

اس شعر کا موازنہ غالب کے ایک شعر سے ہو سکتا ہے۔ غالب کا قافیہ "خونچکاں" ہے مضمون وہی کمی خون کا ہے لیکن غالب نے اپنی بات الگ ہی نکال لی۔ کس انداز سے کہتے ہیں۔

بلائے گر مژہ یار تشنہ خون ہے   رکھوں کچھ اپنی بھی مژگاں خونچکاں کے لئے

اب ذوق کی غزل پوری کر لیجئے۔

نہ لوح گور پہ مستوں کے ہو نہ ہو تعویذ   جو ہو تو خشت خم ہے کوئی نشاں کے لئے
صریح چشم سخن گو تری کہے نہ کہے   جواب صاف ہے پر طاقت و تواں کے لئے
رہے ہی ہول کہ برہم نہ ہو مزاج کہیں   بجا ہے ہول دل ان کے مزاجداں کے لئے
چلے ہیں دیر کو مدت میں خانقاہ سے ہم   شکست توبہ لئے ارمغان مغاں کے لئے
وبال دوش ہے اس ناتواں کو سر لیکن   لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لئے

ان میں سے دو شعر جن پر صاد ہے مجھے پسند ہیں۔ مومن کے باقی اشعار یہ ہیں۔

مومن

سین نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں   کہ سخت چاہیئے دل اپنے رازداں کے لئے

کارخانہ جعفر علی محمد علی تاجر عطر کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن میں ہے

لیا ہے دل کے عوض جان دی رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کیلئے

مضمون نکالا لیکن اس معاملہ میں سوداگری کے تصور سے طبیعت ابا کرتی ہے۔

وہ لعل روح فزا دی کہاں تلک بوسہ
کہ جو ہے کم ہے یہاں شوق جانفشاں کے لئے

لے رقیب سے وہ جب سنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لئے

یہ شعر مومن خاں کے خاص رنگ کا ہے۔ مقطع خوب کہا ہے

روان فزائی سحر حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لب بتاں کے لئے

غالب کے قطعہ کو چھوڑ کر غزل کا صرف مقطع باقی ہے اور اس کو اس مضمون کے خاتمہ کا پیراگراف سمجھئے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

حامد حسن قادری

جذبات بھاشا

بالکل مفت

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اردو میں صرف جذبات بھاشا ہی وہ کتاب ہے جس میں ہندی شاعری کے نادر الوجود اور بے مثل نمونے مل سکتے ہیں اور جسے حضرت نیاز فتحپوری نے ۱۹۱۲ء میں مرتب کیا تھا۔ اس کی قیمت علاوہ محصول ۱۲ روپے

لیکن آپ کو مفت مل سکتی ہے اور وہ اس طرح کہ آپ نگار کا سالانہ چندہ مع محصول صہ ذریعہ منی آرڈر بھیجدیجئے اور اس کتاب کو حاصل کر لیجئے۔ اگر آپ نگار کے پرانے خریدار ہیں اور آپ کا چندہ ختم ہو رہا ہے تو آپ بھی اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ورنہ چندہ ختم ہونے پر رعایت حاصل کی جاسکتی ہے۔

جو لوگ صرف جذبات بھاشا علیحدہ خریدنا چاہیں گے ان سے مع محصول عہ قیمت لیجائے گی

ہر قسم کی کتابیں ملنے کا پتہ
نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

کارخانہ صغیر علی محمد علی تاجر عطر کے عطر کا پتہ صرف "حنا" لکھنؤ ہے

شکست کی آواز

(فسانہ)

شاہدہ نے ایف اے تک کی تعلیم پائی تھی باپ گو سب جج تھا لیکن مذہبیت اسکے رگ وپے میں ساری تھی۔ شاہدہ پر بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور پڑا اور شاید یہی سبب تھا کہ وہ دوسری جدید تعلیم یافتہ لڑکیوں کی طرح آزاد و بیباک نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ پردہ کا اُسے بہت زیادہ خیال نہ تھا، لیکن سربازار کھلی گاڑی میں سیر بھی نہیں کرتی تھی' اور ادبیات سے بھی دلچسپی رکھتی تھی جیسا آج کل ہر نوجوان مرد اور عورت کا رنگ ہے۔ رسالہ پروین کی وہ دلدادہ تھی اور اس کے مدیر کے ذوق ادب اور حسن انتخاب کی مداح۔ اس رسالہ کا مشہور مضمون نگار "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" جسنے مدیر تک سے اپنا نام چھپا رکھا تھا شاہدہ کی نظر میں چڑھا ہوا تھا وہ اسکی تحریر کی عاشق تھی اور اس کا نام معلوم کرنے کے لئے بیتاب۔ بارہا اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر اس گمنام فسانہ نویس کے ساتھ زندگی بسر ہوتی تو خوب ہوتا، رسالہ ہمیشہ اس کے زیر نظر رہتا۔ اس کے تازہ نمبر میں پہلا افسانہ "پیمان وفا" گمنام فسانہ نویس کے قلم سے نکلا تھا۔

شاہدہ اس کو بار بار پڑھتی اور کہتی۔ "پیمان وفا" کتنا اچھا فسانہ ہے فسانہ کا ہیکو واقعہ ہے۔ ظالم نے اس فسانہ کے لئے کیا پیاری سرخی اختیار کی ہے۔ شادی کو پیمان وفا کہنا اپنے اندر کتنی شعریت رکھتا ہے۔ شادی عروسی سب مکروہ اور پامال الفاظ ہیں اگر دنیا میں ہر شادی پیمان وفا ہوتی تو دنیا بہشت ہوجاتی۔ شادی اگر پیمان وفا نہیں ہے تو دنیا کے ہر گناہ کبیرہ سے بدتر "پیمان وفا" افسانہ کی سرخی نام کے بجائے "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" کسقدر پر معنی ہے۔ فسانہ نگار شعر مجسم ہوگا۔

افسانہ کے لفظ لفظ سے درد ٹپکتا ہے۔ اس مصرع میں جذبات کے کتنے محشر پوشیدہ ہیں۔ شاید "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" کی زندگی بڑی پرحسرت رہی ہے اور اگر اب تک نہیں رہی ہے تو ہوکر رہیگی۔ میں تو اس مصرع کو جب دیکھتی ہوں تو مجھے اس لڑکے کا واقعہ یاد آجاتا ہے جس نے سودا کے سامنے یہ شعر پڑھا تھا ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اور سودا کمبخت نے بھی اسی شعر کو سنکر کسی منحوس گھڑی کہا تھا کہ میاں صاحبزادے بچتے ہوئے نظر نہیں آتے" اور آخر وہی ہوکر رہا یہ مصرع بھی مجھے رہ رہ کر اسی واقعہ کو یاد لاتا ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ فسانہ نگار کا حشر اگر ابتک نہیں ہوچکا ہے تو آئندہ اسی مصرعہ کے مطابق نہوگا، جو کچھ ہو مدیر لائق صد مبارکباد ہے جس نے ایسا سحر طراز مضمون نگار اپنے مجلہ کیلئے فراہم کیا ہے۔ میں ان کو آج خط لکھتی ہوں۔

عطر خریدنے کے وقت صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کو یاد کیجئے

سہیل نے علی گڑھ سے فلسفہ میں بی اے آنرز کیا تھا اور اور کچھ دنوں سے شاہجہاں پور میں اپنے ماموں احمد حسن صاحب صدیقی سب جج کے یہاں مقیم تھا۔ شاہدہ کی طبیعت بھی بھائی کی صحبت میں بہل گئی تھی۔ اکثر دونوں میں علمی مذاکرے رہتے تھے ادبیات سے دونوں کو شغف تھا۔ شاہدہ نے باتوں باتوں میں سہیل سے ایکدن دریافت کیا کہ آپ پروین کے اس مضمون نگار کو جانتے ہیں جو اپنے نام کے بجائے صرف "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" لکھنے پر اکتفا کرتا ہے سہیل نے جواب میں کچھ دیر تک سکوت سے کام لیا اس کے بعد گردن اُٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا کہ مجھے بہت کم لوگوں سے واقفیت ہے رہ گیا کسی کو جاننے کی بابت سو میں ابھی اپنے کو پہچاننے کی کوشش میں سرگرداں ہوں۔ ادھر سے ذرا فرصت ہو تو دوسری کو تلاش کروں میں کسی کو نہیں جانتا حتی کہ اپنے کو نہیں جانتا۔

پروین کے مضمون نگار کا کیا تذکرہ جبدن سے فلسفہ میں یہ پڑھا کہ اپنے کو پہچانو اس دن سے اسی مصیبت میں گرفتار ہوں آج خلاف معمول سہیل کی گفتگو بہت متین اور سنجیدہ تھی لیکن اتنی سلجھی ہوئی اور طمانیت بخش نہ تھی جتنی ہمیشہ ہوا کرتی تھی ورنہ وہ ہمیشہ سائل سے اُلجھ پڑتا تھا لڑجاتا تھا بلکہ اپنی مخاطب کو کاٹ کھاتا تھا۔ لیکن ہمیشہ اپنے حریف کو زور استدلال سے خاموش ہونے پر مجبور کر دیتا تھا۔ شاہدہ نے اس وقت اس موضوع پر مزید گفتگو کرنی مناسب نہ سمجھی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی تذکرہ شروع ہوا نوکی بار شاہدہ سہیل سے "پیمان وفا" کی داد طلب کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ سہیل کم از کم مضمون نگار کے ذوق ادب کی بابت میرا ہم رنگ ہو۔ شاہدہ نے دو ایک ہی جملے بشکل فسانہ نگار کی تعریف میں زبان سے نکالے ہی تھے کہ سہیل بول اُٹھا "آپ مضمون نگار کی کس چیز کی تعریف مجھ سے کرانا چاہتی ہیں ذرا میں بھی سنوں۔ زبان کی طرز تحریر کی۔ خیال کی۔ سیرت نگاری کی زبان کو لیجئے سوائے اس کے کہ اس میں عربی فارسی الفاظ اور ترکیبوں کی بھرمار ہے میں نے اور کوئی بات نہ پائی نہ وہ حلاوت ہے جو شرر کا طرۂ امتیاز ہے نہ وہ رنگینی ہے جو آزاد کا حق ہے نہ وہ سادگی ہے جو سرسید کا حصہ تھی نہ وہ زور ہے جس نے شبلی کو شبلی کر دیا پھر آپ ہی فرمائیے میں کسکی تعریف کروں۔ طرز تحریر آپکا کوئی مخصوص نہیں۔ آپ ہی فرمائیے کونسی خاص بات آپ کی تحریر میں ہے اس سے یہی مطلب نہیں کہ وہ بری ہے یا بھلی جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ فسانہ اسی فسانہ نگار کا تحریر کردہ ہے ہر افسانہ کی زبان میں رنگ نیا۔ آپ کے خیال کی بابت مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اکثر فسانے آپ کے مضمون نگار صاحب کے ماخوذ ہوتے ہیں۔ اور جو دو ایک بظاہر ماخوذ نہیں معلوم ہوتے ان کے خیالات روسیوں اور فرانسیسیوں سے مستعار لئے گئے ہیں۔

رہ گئی آپ کی سیرت نگاری وہ ہمیشہ غیر واقعی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو ان میں لطف آتا ہے۔ آپ کہتی ہیں کہ "پیمان وفا" میں نسیمہ کی سیرت کا خاکا اچھا کھینچا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اچھا بیشک ہے لیکن وہ کیرکٹر اس بنا پر اچھا ہے کہ بالکل غیر واقعی ہے۔ اس دنیائے فانی میں تو کوئی نسیمہ آپ کے

عطر منگانے کا پتہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

مضمون نگار کی نسیمہ کی طرح تو پیدا نہیں ہوتیں۔ آپ پیمان وفا کی سرخی پر واہ واہ کرتی ہیں۔ میں مضمون نگار کی بیوقوفی پر آہ کرکے رہجاتا ہوں کہ کتنی معصوم ہستیاں اس افسانہ کو پڑھ پڑھکر اپنی زندگی برباد کریگی۔ آپ کہتی ہیں کہ شادی کے لئے پیمان وفا کتنا اچھا نام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ شادی میں پیمان وفا بننے کی سرے سے صلاحیت ہی نہیں آپ اس مصرعہ پر سر دھنتی ہیں جو آپ کے مضمون نگار صاحب نے اپنے نام کے بجائے تجویز کیا ہے گویا یہ مصرعہ انھیں کی تصنیف سے ہے۔ نام کے بجائے مصرعہ لکھنا کوئی جدت ہی نہیں میں نے اس سے پہلے ایک صاحب کو اپنے نام کے بجائے یہ مصرعہ لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔

آوارہ و مجنوں نے رسوا سر بازار ہے

آپ نے بھی غالباً ان کے مضامین پڑھے ہوں گے اب آپ ہی فرمائیے میں آپ کے فسانہ نویس صاحب کی کس ادا کی تعریف کروں

آج سہیل کی تنقید ناکامیاب رہی اور شاہدہ برابر اس امر کو محسوس کرتی رہی کہ اس گمنام مضمون نگار کے معاملہ میں سہیل کی تنقید اکثر کامیاب نہیں ہوئی۔ آج سہیل کی تقریر میں وہ زور تھا نہ اس کا استدلال ہی کچھ لاجواب تھا۔ شاہدہ اس کی تقریر سنکر خاموش تو ضرور ہو گئی لیکن دل کو تشفی دیکر اٹھکر گھر میں چلی گئی اور سہیل اپنے کمرے میں جاکر خلاف معمول دوپہر کو سو رہا

صدیقی کو شاہجہانپور آئے ایک ہفتہ سے زیادہ ہوچکا ہے وہ شاہدہ کا چچازاد بھائی ہے لکھنؤ میں بی اے کلاس میں تعلیم پاتا ہے چھٹیوں کے سلسلے میں شاہجہانپور چلا آیا شاہدہ اور سہیل کے علمی شغلوں میں اسے چنداں لطف نہ آتا پروین کا تذکرہ ہوتا اور اسی ضمن میں گمنام مضمون نگار کا نام بھی آتا بلکہ یوں کہئے کہ گمنام مضمون نگار کے ضمن میں پروین کا نام بھی آتا۔ یہ معلوم ہونے پر کہ سہیل یا شاہدہ کوئی بھی مضمون نگار سے واقف نہیں ہے۔ صدیقی نے کہا کہ میں "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں مجھ سے بہت گاڑھی چھنتی ہے "پیمان وفا" رسالہ میں چھپنے سے پہلے میں دیکھ چکا ہوں۔ ان کا نام احمد رشید ہے پارسال انھوں نے کیننگ کالج سے بی اے پاس کیا ہے ان کا شمار قابل آدمیوں میں ہوتا تھا۔ جب تک صدیقی یہ گفتگو کرتا رہا سہیل صرف اس کا منھ تکتا رہا۔ اور گفتگو ختم ہونے سے پہلے وہ وہاں سے اٹھکر چلا گیا۔ شاہدہ کا اشتیاق اور بڑھتا جاتا تھا۔ پہلے صدیقی سے اُسے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی لیکن اب بے نام و نشان فسانہ نویس کا نام سنکر اُسنے صدیقی سے ربط و ضبط بڑھانا شروع کیا تاکہ مضمون نگار کا کچھ اور حال معلوم ہو سکے اب صدیقی اور شاہدہ میں اکثر یہی تذکرے رہتے اور سہیل عمداً ایسے موقعوں پر اٹھکر چلا جاتا۔ صدیقی کے لئے ایسے مواقع غنیمت تھے اور وہ ایک حد تک شاہدہ کی توجہ اپنی جانب جذب کرنے میں کامیاب رہا۔ صدیقی کے آنے سے پہلے شاہدہ کے دل میں سہیل کی قدر تھی۔ حالانکہ "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" کے بارے میں دونوں کی رائیں مختلف تھیں۔ اور

کارخانہ صفدر علی محمد علی دنیا بھر میں مشہور ہے

شاہدہ کبھی اس معاملے میں کسی کے اختلاف کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتی تھی، لیکن اس اختلاف کے باوجود وہ سہیل کی دل سے مداح تھی۔ شاہدہ گو تعلیمیافتہ اور روشن خیال عورت تھی لیکن تھی عورت ہی عورت اپنی ذات سے اختلاف رائے کو ہمیشہ برداشت نہیں کر سکتی۔ صدیقی کے آنے کے بعد شاہدہ نے یہ معلوم کر لیا کہ صدیقی بیشک اس معاملے میں حق پر ہے اس کی سہیل کی بابت یہ رائے ہرگز غلط نہیں کہ سہیل بعض وقت ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں۔ پیمان وفا اردو زبان میں اپنے رنگ کا ایک افسانہ ہے صدیقی سہیل کے برابر قابل نہ سہی لیکن اسکا ذوق ادب لائق تحسین و آفرین "پیمان وفا کی خوبیوں کو وہ دیکھتا ہے"۔

صدیقی نے رفتہ رفتہ شاہدہ کے دل میں گھر کر لیا سہیل کو کو فلسفے کی گتھیاں ہی سلجھانے سے فرصت نہ تھی صدیقی سے زیادہ رسم و راہ ہونے کے بعد شاہدہ کو پھر دھن ہو گئی کہ سہیل کو اپنا ہم خیال بنائے علمی حیثیت سے شاہدہ کو سہیل سے کوئی نسبت نہ تھی لہذا اس نے سہیل کو اپنے رنگ میں رنگنے کے لئے دوسری تدبیریں اختیار کیں۔ عورت کا کسی کام کے کرنے پر تُل جانا قیامت ہے۔ شاہدہ کے ترکش میں وہ کونسا تیر تھا جو سہیل پر خالی نہ کیا گیا ہو۔ لیکن سہیل کچھ اس بلا کا مجیس واقع ہوا تھا کہ شاہدہ کی مخصوص ادائیں بھی اسے اپنا نہ کر سکیں شاہدہ کو یہ کاوش تھی کہ سہیل اس کا ہم آہنگ کیوں نہیں ہوتا۔ صدیقی اس کا ہم خیال تھا لیکن اس سے وہ بے پرواہ تھی۔ فکر تھی تو یہ تھی کہ سہیل اس کا ہمنوا کیوں نہیں ہے۔

عورت خود دنیا سے بے نیاز رہے یا نہ رہے لیکن دوسرے کو وہ خود سے بے نیاز نہیں دیکھنا چاہتی۔ سہیل پر اس کا آخری نسوانی حربہ یہ تھا کہ وہ یکلخت اس کی طرف سے نگاہیں پھیرے اور اپنے کو صدیقی کے سپرد کر دے شاید یہی جادو سہیل پر چل جائے سہیل اس سے بھی متاثر نہ ہوا اور شاہدہ روز بروز صدیقی کی واقعی گرویدہ ہوتی گئی۔ کبھی کبھی یہ خیال بھی دماغ میں گزرتا کہ اگر میری زندگی اسی افسانہ نویس کے ساتھ گزرتی تو یقیناً اس سے بہتر ہوتا، لیکن موجودہ حالات میں صدیقی ہی غنیمت ہے اس مضمون نگار کا دوست ہے خود بھی کچھ بُرے مضامین نہیں لکھتا اور کیا چاہیئے۔ اس دوران میں اس کے چچا نے صدیقی کا شاہدہ سے شادی کا پیغام اپنے بھائی کو دے ہی دیا تھوڑی سی بحث تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ صدیقی بُرا لڑکا نہیں ماں کی رائے تھی کہ سہیل اس سے بہتر ہے اور شاہدہ بچپنے سے اسے منگی ہوئی تھی۔ لیکن صدیقی میں بھی کوئی عیب نہیں اور میں دیکھتی ہوں کہ شاہدہ بھی صدیقی سے زیادہ مانوس ہے شاہدہ کے چچا کو لکھ دیا گیا کہ شادی کے لئے رجب کے مہینے کا انتظار کرو۔ سہیل کے یہاں اس دوران میں شادی کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی۔ اس کے والدین کا خیال تھا کہ سہیل وہیں منگا ہوا ہے شادی بھی ہو جائیگی۔ سہیل نے بھی دیکھا کہ شاہدہ کو اس سے چنداں دلچسپی نہیں ہے اگر ہے تو میں ہوں اپنی شکست کی آواز" اور اس کے مدّاحین سے اس بنا پر سہیل بھی خاموش تھا وہ سمجھتا تھا کہ شاہدہ جوہر

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

جوہر شناس نہیں غرض پسند ہے۔

سہیل کچھ دنوں اور ٹھہر کر اپنے گھر چلا گیا تھا لیکن پھر شاہجہاں پور شاہدہ کی شادی کے سلسلے میں آیا۔ شادی بخیر و خوبی ختم ہوئی رخصتی بعض وجوہ سے نہ ہو سکی۔ لہذا صدیقی صاحب سسرال ہی میں مقیم رہے۔ سہیل کے واپس جانے سے پہلے شاہدہ میں اور اس میں جو گفتگو ہوئی اسمیں یہ کیونکر ممکن تھا کہ پردیں اور گمنام مضمون نگار کا تذکرہ نہ ہوتا۔ سہیل نے شاہدہ سے مسکراتے ہوئے کہا کہ شادی کا نام "پیمان وفا" کتنا غلط ہے۔ یہی تو میں کہتا تھا کہ یہ مضمون نگار کی ناتجربہ کاری ہے مجھے یقین ہے کہ مضمون نگار نے ابتک یا اس راز کو محسوس کر لیا ہوگا ورنہ وہ بہت جلد اپنی غلطی سے متنبہ ہو جائیگا اس گفتگو کے دوسرے دن سہیل صدیقی اور شاہدہ سے رخصت ہو کر لکھنؤ واپس گیا۔

صدیقی اور شاہدہ میں اب بھی جو گفتگو ہو رہی ہے وہ اسی مضمون نگار کے موضوع پر شاہدہ نے دریافت کیا کہ آپ تو اس مضمون نگار سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ بڑا دلچسپ آدمی ہوگا۔ مجھے ملتا تو میں عمر بھر اس کی پرستش کرتی۔ مجھے امید ہے کہ اگر کوئی مناسب موقع ہاتھ آیا تو آپ ضرور مجھے اس مضمون نگار سے ملائینگے ادھر یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ شاہدہ کا سات آٹھ برس کا بھائی احسن باجی باجی کہتا، ہاتھ میں ایک سیاہ کاپی لئے دوڑتا ہوا آیا اور اپنی بہن سے لپٹ گیا۔ اور کہنے لگا باجی دیکھئے ہمنے کیسی اچھی کتاب پائی ہے۔ شاہدہ نے بھائی کے ہاتھ سے وہ کاپی لے لی کچھ پڑھا اور پڑھکر ایک بکس میں مقفل کر دیا صدیقی نے دریافت بھی کیا کہ کیا چیز ہے لیکن اُنسے یہ کہکر ٹال دیا کہ ایک کاپی ہے شاہدہ وہاں سے اُٹھکر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور اندر سے کنڈی لگا کر یہ خط سہیل کو لکھنے لگی۔

"بھائی جان آپکے فسانوں کی کاپیاں، عمداً یا سہواً آپ سے چھوٹ گئی ہیں جسکو آپ اطمینان رکھئے کہ میں کبھی واپس نہیں کر سکتی۔ پیمان وفا کے بعد والا مضمون تلخ تجربہ جو یقیناً میری شادی کے بعد لکھا گیا ہے میرے دل پر تیر و نشتر کا کام کرتا ہے آپکو تلخ تجربہ ہوا اور میری زندگی ہمیشہ کے لئے تلخ ہو گئی۔ مجھے بارہا اس کا خیال آیا کہ "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" آپکے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا میں آپ کی کیا شکایت کروں جو شخص اپنا نہ ہوا وہ دوسرے کا کیا ہو سکتا ہے مگر رونا ہے تو اس کا ہے کہ میں کیوں اندھی ہو گئی تھی میں کیوں بہری ہو گئی تھی۔ آپ کو کب دیکھا آپ کی آواز کب سنی جب شاہدہ شاہدہ نہ تھی۔ اپ کو الزام دوں کہ اپنی قسمت کو کوسوں بعض وقت کی باتیں بھی صحیح ہو جاتی ہیں۔ ہائے شاہدہ کمبخت تو نے کس وقت یہ کہا تھا کہ کہیں مضمون نگار پر یہ مصرع "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" اب جب یہ معلوم ہوا کہ آپ ہی نے "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" تب حقیقت میں یہ عقدہ کھلا کہ میں ہوں اپنی شکست کی آواز" سچ فرمایا تھا آپنے فلسفہ کی ساری تعلیم کا لب لباب یہ ہے کہ "اپنے کو پہچانو" میں بھی اب خاک میں ملکر اپنے کو پہچانونگی۔

"آپ کی کنیز شاہدہ"

جنوری سنہ ۱۹۲۷ء کے نگار کی ضرورت ہے اگر کوئی صاحب فروخت کرنا چاہیں تو منیجر نگار سے خط و کتابت کریں۔

عمدہ عطریات اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

طنزیات اور اردو زبان

ہر غور کرنے اور تحقیق کرنے والے شخص کو اختیار ہے کہ وہ اہل لغت کی اس بارہ میں شکایت کرے کہ انھوں نے طنز کے معنی بیاں کرنے میں نہایت مسامحت اور استغنا سے کام لیا ہے وہ صرف یہ لکھکر خاموش ہو گئے ہیں، کہ ناز کرنے، مسخرہ پن کی گفتگو کرنے اور رمز کے ساتھ بات کہنے یا طعنہ دینے کو طنز کہتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک کوئی موضوع زیر بحث نہ آجائے اُسوقت تک نہ اُسپر کافی روشنی پڑتی ہے اور نہ اسپر کوئی صحیح رائے دیجا سکتی ہے نہ اس کے معانی کو صحیح اور برمحل استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طنز کثیر المعنی لفظ ہے جسمیں طعن۔ آوازہ۔ تشنیع، استہزا۔ پھبتی۔ زجر و توبیخ ملامت، ہجو، بولی ٹھولی، شکوہ و شکایت، نوک جھونک، رمز و کنایہ، جلی کٹی۔ واسوخت۔ سب شامل ہو سکتے ہیں۔

طنز چونکہ ایک ایسا لفظ ہے جس کی تحقیق ابھی تک نہیں ہوئی اسی لئے اکثر اہل زبان حضرات نے اس کی تمام انواع و اقسام کو تقریباً ایک ہی سمجھا، اور جہاں جس چیز کو جو کچھ چاہا کہہ دیا۔ مثلاً۔ غالب مرحوم ایک جگہ کہتے ہیں "کہ مولوی کرم حسین صاحب ایک میرے دوست تھے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کف دست پر رکھکر مجھ سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجئے میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ انکو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی اُن سے لی،" قطعہ بہت مشہور ہے۔ اچھا کہئے، زیبا کہیے۔ یہاں تک غالب نے صرف تشبیہات کہا، مگر آگے چلکر انہیں تشبیہات کو پھبتیاں کہتے ہیں فرماتے ہیں۔ "غنچۂ ناشگفتہ" میں بائیس پھبتیاں ہیں" حالانکہ پہلا قول صحیح تھا۔ جرأت کہتے ہیں کہ ۵ اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی۔ حالانکہ یہ صرف ایک تشبیہ ہے پھبتی نہیں ہے۔ غالب ایک جگہ فرماتے ہیں۔

نہ کہیو طنز سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں   مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

یہاں لفظ طنز جس مفہوم میں آیا ہے اس کا تعلق صرف ایک متعارف معنے سے ہے اس میں شک نہیں کہ یہ تمام الفاظ متقارب المعنی ہیں کہ بادی النظر میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، مگر نگاہ غایر ان الفاظ کے مفہوم میں امتیاز پیدا کر سکتی ہے مثلاً طعن، طنز، تشنیع، ہجو وغیرہ کو جب آپ سرسری نگاہ سے دیکھیں گے تو امتیاز دشوار معلوم ہوگا، لیکن بغور دیکھنے سے فرق محسوس ہو جائیگا اور آپ کو ماننا پڑے گا کہ ہے ہر جگہ وہی طنز مگر بات یہ ہے کہ جب اس میں گہرا رنگ پایا جاتا ہے تو ہجو ہو جاتی ہے۔ اس سے کچھ کم میں طعنہ ہوتا ہے اور بہت کم ہو تو رمز و کنایہ ہے۔

اس مضمون کا عنوان طنزیات اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس میں اصطلاحی شان پیدا ہو کر مفہوم وسیع ہو جائے اور

صنغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگایئے

اور اس کے ماتحت جتنے انداز بیان کر سکتے ہیں ان کا ذکر مختصراً کر دیا جائے

طعن اس لفظ کے لغوی معنے نیزہ لگانے، قدح کرنے، کسی میں عیب پیدا کرنے، جنگل میں چلنے، رات کو سیر کرنے اور گھوڑے کو تیز چلانے کی غرض سے باگ کھینچنے کے ہیں مگر ہمارے موضوع کے لحاظ سے اس کی تشریح یوں کیجا سکتی ہے، کہ طعنہ وہ گفتگو ہے جسمیں قایل اپنے مخاطب سے کچھ ایسی باتیں کہے جو مخاطب سے متعلق ہونے والے واقعات پر روشنی ڈالیں یا اس کی کمزوری کا اظہار کرکے اسکو رنج پہونچائیں۔ اس گفتگو سے مراد مخاطب کے اقوال یا افعال پر نکتہ چینی کرکے اس میں عیب پیدا کرنا اور اس کی تحقیر کرنا ہوتی ہے۔ طعنہ کی گفتگو کے لئے صحیح یا غلط ہونا ضروری نہیں ہے، نہ اہمیں کسی تشبیہ و استعارہ کی ضرورت ہے مگر گفتگو میں ایسے پہلو کا ہونا ضروری ہے جس سے مخاطب کو رنج پہونچے اور اس کی طبیعت میں ایک قسم کا اشتعال پیدا ہو۔ مثلاً غالب ایک جگہ ذوق کو یوں طعنہ دیتا ہے ؎ انچہ اندر شعر فخر تست آں ننگ من است۔ اس میں ان باتوں پر روشنی پڑتی ہے کہ (۱) غالب کی طرح ذوق بھی شعر کہتے ہیں، اور یہ ایک واقعہ سے تعبیر کیا جائے گا (۲) ذوق کو اپنی شعروں میں جو باتیں اور جو چیزیں قابل فخر معلوم ہوتی ہیں غالب اپنے لیے ان کو باعث ننگ ہونا بیان کرتے ہیں (۳) یہ ضروری نہیں کہ غالب کا یہ بیان صحیح ہو (۴) ذوق کو اس سے رنج پہنچنا ضروری ہے (۵) ذوق کی اس سے تحقیر ہوتی ہے (۶) ذوق کی کمزوریوں پر ایک روشنی ڈالی گئی ہے ان سب باتوں کے لحاظ سے اسکو طعنہ کہا جائے گا۔

غالب ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

جاہ ز علم بیخبر علم ز جاہ بے نیاز ہم محک تو زر ندید ہم زمن محک نخوا[ست]

اس سے اس واقعہ پر روشنی پڑتی ہے کہ (۱) غالب کی بادشاہ نے قدر نہیں کی (۲) بادشاہ کو ناانصاف، تغافل شعار تجاہل پیشہ ظاہر کیا گیا ہے اور اس کی اس خاص کمزوری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں سے ایک خاص نکتہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کبھی اپنے افعال و اقوال یا اپنی ذات پر فخر کرکے بھی دوسروں کو طعنہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ غالب کے مصرع زمن محک نخواست یا آں ننگ من است سے ظاہر ہوتا ہے متنبی کہتا ہے ؎ وتنکر موتہم وانا سہیل طلعت لموت اولاد الزنار۔ اپنے آپ کو سہیل بتایا ہے جس کی خاصیت یہ بیان کیجاتی ہے کہ اس کے طلوع کے بعد تمام حشرات الارض فنا ہو جاتے ہیں۔ سہیل کہکر اپنے کو ظاہر کیا ہے اور اولاد الزنار (یعنی حشرات الارض) سے دوسروں پر طعن کیا گیا ہے نظامی کہتے ہیں ؎

گر از غمن شدند این قوم معذور اند از انکہ من سہیلم کامدم بموت اولاد الزنا

اسی طرح خاقانی کا ایک شعر ہے ؎

ولدالزناست حاسد منم آنکہ طالع من ولدالزنا کُش آمد چو ستارہ یمانی

عطر خس جیسا اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ میں فروخت ہوتا ہے کسی دوسری جگہ نہیں ملتا

مصحفی ایک جگہ اظہار فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

——————— ناداں ہے جسکو مجھ سے ہو دعوئے شاعری

ہیں لکھنؤ میں زمزمہ سنجانِ شعر کو برسوں دکھا چکا ہوں تماشائے شاعری

اسمیں ہمہ دانی اور اپنی شاعری پر فخر و مباہات کرکے اپنے معاصرین کو طعنے دئے گئے ہیں اور اُن کی تحقیر کی گئی ہے اسی صورت سے آتشؔ نے ایک جگہ فخریہ رجز کرکے دوسروں پر طعن کیا ہے:۔

کیا تاب ارسطو جو کرے چوں مرے آگے ....

مرغان اولی الاجنحہ مانند کبوتر کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں مرے آگے

اسی صورت سے غالبؔ اپنے اندازِ بیاں اور اپنی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے اپنے معاصرین پر ہلکا سا طعن کرتے ہیں:۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

ادائے خاص سے غالبؔ ہوا ہے نکتہ سرا صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے

طعن سے کبھی صرف مطعون کی برائی بیان کرنا مقصود ہوتی ہے جلالؔ صاحب ایک جگہ کہتے ہیں ؎

نہ دیکھے دولھا کو ساس نندوں کے آگے گھونگھٹ اٹھا اٹھا کر + نئی نویلی دلھن ہے بیچی ابھی تو دو چار دن حیا کر

مصحفیؔ جرأت پر انکی کم ہمتی کا طعن کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ اپنی افضلیت کا بھی اظہار کرتے ہیں۔

کچھ میں جرأت نہیں اے مصحفیؔ سحر بیاں میر و مرزا سے لڑانے پہ غزل جاؤنگا

یعنی جرأت میں میرؔ و مرزاؔ سے مقابل ہونے کا دم نہیں مگر مجھ میں ہے۔ داغؔ ناصح کو اس کی بیدردی کا طعنہ دیتا ہے۔

یوں کون جانے دردِ محبت کو ناصحا وہ جانے جسکے چوٹ ہو دل پر لگی ہوئی

ناصح کو اس کی اس خراب عادت پر کہ حضرت روز میخانہ میں تشریف لاتے ہیں اس طرح طعنے دیتا ہے۔

جب ہوئی صبح آ گئے ناصح انہیں حضرت کو دیکھتا ہوں میں

اپنی اطاعت اور معشوق کی خود غرضی کا یوں طعنہ دیا گیا ہے

تم کہتے ہو معشوق اطاعت نہیں کرتے عاشق بھی تو معشوق کا نوکر نہیں ہوتا

حسنؔ بریلوی معشوق کو اس کی بیدردی پر یوں طعنہ دیتے ہیں:۔

بیوفا ہو بیوفا کو کیا خبر اس درد کی سنگدل ہو سنگدل پر کیا اثر فریاد کا

اگر فرمائش کے موافق مال نہ پہنچے تو فوراً مال واپس کیجئے کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ۔

ہندوستانی ہونے کا طعنہ ملاحظہ ہو۔ اکبر کہتے ہیں:۔

میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا — نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانیں

یقولون مالا یفعلون کا طعن۔ اکبر ؎

رزولیوشن کی شورش ہے مگر اسکا اثر غائب — پلیٹوں کی صدا سنتا ہوں اور کھانا نہیں آتا

اکبر رمز کو طعنہ میں شامل کرتے ہوئے ہلکی سی ظرافت کی چاشنی دیکر اطبا کی خود غرضیوں پر یوں روشنی ڈالتے ہیں ؎

اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا — خدا کا کام ہے فضل و کرم کرنا شفا دینا

اسی طرح موجودہ لیڈروں پر یوں طعن کرتے ہیں ؎

بکالیں پیسکر دو روٹیاں تھوڑی سی جو لانا — ہمارا کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

طعنہ سے بعض جگہ صرف تحقیر مقصود ہوتی ہے ایک شاعر کہتا ہے

آپ تو کیا ہیں میں وہ عاشق رنگین دل ہوں — چوم کر لاکھوں کا منھ غنچہ دہن چھوڑ دیا

آوازہ آوازہ اصل میں فارسی کا ایک مشہور لفظ ہے جس کے معنی شہرت عام کے ہیں، مگر اردو زبان میں اس کے معنی اور کچھ ہیں اور وہ کسنے کے ساتھ ترکیب پاکر مستعمل ہوتا ہے آوازہ اس گفتگو کو کہتے ہیں جسمیں خصم کے علاوہ کسی اور شخص سے خطاب ہو۔ یا کوئی بھی مخاطب نہو اور خود ہی چند الفاظ، کسی فقرے، کسی جملہ، کسی شعر کی صورت میں اس طرح سے کہے کہ اس سے خصم کی برائیو پر ایک ناتمام اور ہلکی سی روشنی پڑے اس میں کچھ استہزا بھی شامل ہوتا ہے اور کچھ ہجو بھی ہوتی ہے، کچھ جوش دلانے اور بھڑکانے والے الفاظ ہوتے ہیں اور واقعات کا ایک ناقص سا اظہار بھی ہوتا ہے۔ اس کو عرف عام میں چوٹ کرنا بھی کہتے ہیں۔ اسمیں کبھی حریف کی صرف ہجو ہوتی ہے۔ کبھی کسی واقعہ کا اظہار بھی ہجو کے ساتھ ہوتا ہے۔ کبھی واقعہ نہیں ہوتا اور صرف ایسے الفاظ ہوتے ہیں جس سے قایل کی دشمنی اور رنجش کا پتہ چلتا ہے لیکن طرز بیان عام ہوتا ہے اور کسی شخص کے تخصیص نہیں ہوتی کبھی تشبیہ و استعارہ کی صورت میں آوازہ کا استعمال ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ مثلاً ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جاتا ہے دوسرا شخص اسکا حریف ہے، اس کو دیکھکر ایک غیر متعلق شخص سے کہتا ہے کہ شہر کا اب تو ایسا دستور بگڑ گیا ہے کہ سائیس بھی گھوڑے پر سوار ہونے لگے۔ ظاہر ہے کہ یہ سوار پر چوٹ یا آوازہ ہے گر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ میں نے اُس کو نہیں کہا بلکہ ایک عام بات کہی تھی۔

آتش نے اپنے حریف ناسخ پر ایک مرتبہ مشاعرہ میں یوں چوٹ کی:۔

مضمون کا چور ہوتا ہے رسوا جہان میں — چکھی خراب کرتی ہے مال حرام کی

صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگائیے

چونکہ ناسخ کے یہاں اکثر اشعار ایسے ہیں جو اساتذہ متقدمین سے لیئے گئے ہیں یا فارسی سے ترجمہ کئے گئے ہیں لہذا اس شعر کے ذریعہ سے ایک عام بات کہکر اوپر روشنی ڈالی گئی ہے مرحوم ایک جگہ آوازہ کی نقل کرتے ہیں ؎

ٹوکر اکب تک یہ سر پر عزت وتوقیر کا　　　　کھنچے کستے ہیں آوازے مری دستار پر

شاہزادہ مرزا جواں بخت کی شادی ہوئی تو مرزا غالب نے سہرا کہا جس کا آخری شعر یہ تھا ؎

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں　　　　دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

اس سہرے کو بادشاہ نے سنا تو سمجھ لیا کہ ہم پر چوٹ ہے یعنی ہم نے جو شیخ ابراہیم ذوق کو استاد بنایا یہ ایک قسم کی ناانصافی ہے۔ اور در اصل یہی واقعہ تھا کہ مرزا نے ذوق پر چوٹ کی تھی مگر اسی طریقہ سے جیساکہ آوازہ کا قاعدہ ہے کہ ایک عام بات کہی گئی ہے جب یہ واقعہ ذوق کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھی سہرے کے مقطع میں وہی انداز برتا۔ اور کہا:-

جسکو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنادو اسکو　　　　دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

کبھی کبھی جس پر آوازہ کسا جاتا ہے یا جس پر چوٹ کی جاتی ہے اسکو مخاطب بھی کر لیا جاتا ہے۔ جیساکہ آوج نے غالب کو یہ شعر سناکر مخاطب کیا۔

غالب آسان نہیں صاحب دیواں ہونا　　　　ڈیڑھ جز پر بھی تو ہو مطلع و مقطع غائب

غالب کے دیوان کی حقیقت اور کیفیت پر ایک روشنی ڈالی ہے اور ساتھ ہی دوسرے مصرع سے ایک آوازہ کی صورت پیدا کردی ہے اسی طرح سر مشاعرہ مرزا غالب پر یہ چوٹ کی گئی۔

کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے　　　　مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

ایک مرتبہ مشاعرہ میں ناسخ پر آتش نے اس طرح چوٹ کی :-

جو خاص ہیں وہ شریک گروہ عام نہیں　　　　شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں

ناسخ کا نام امام بخش تھا۔ ناسخ نے کہا ؎

یہ بزم وہ ہے کہ لاخیر کا مقام نہیں　　　　ہمارے گنجفہ میں بازی غلام نہیں

حافظ دانشمند مجلس پر یوں آوازہ کستا ہے

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس　　　　توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

اگر صرف یوں کہا جاتا کہ میری ایک بات سمجھ نہیں آتی توبہ کی ہدایت کرنے والے توبہ کیوں نہیں کرتے تو وہ صرف ایک عام نبات ہوجاتی مگر دانشمند مجلس سے سوال کرنے نے آوازہ کی ایک شان اسمیں پیدا کردی اور اسمیں تمام وہی تیور باقی رہ

جب عطر خریدنا ہو تو سعید علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کو خط لکھئے تاکہ مال عمدہ ملے

جو آوازہ میں ہونے چاہئیں۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار خدائی فوجدار ہیں اس جگہ جہاں خدائی فوجدار اپنے نحیف و نزار ٹٹو پر سوار ہو کر دنیا کی اصلاح کے لئے تشریف لے چلے ہیں اور لوگوں نے اُنپر آوازے کسے ہیں لکھتے ہیں:-

"کالی کالی صورت پر لال لال ٹوپی ماشاء اللہ کس قدر زیب دیتی ہے"

ایک جگہ فسانۂ آزاد میں اُس موقع پر لکھتے ہیں جب عین شادی کے روز بارات آنے کے وقت ثریا بیگم کو غش آگیا ہے اور ڈاکٹر صاحب کو علاج کے لئے بلایا ہے۔ اتفاق سے ڈاکٹر صاحب بھدے جسم کے سیاہ فام تھے، اُن کو دیکھکر پہلے فرمائشی قہقہے لگائے اور پھر یہ آوازے کسے:-

اس لنگور سے کیا علاج ہوگا۔ کینڈا کتنا سڈول ہے۔ وغیرہ وغیرہ بہ ظاہر ان فقرات میں ایک تمسخر کی شان بھی پیدا ہوتی ہے مگر اصل میں یہ بھی آوازے کی ایک قسم ہے کیونکہ کسی وقت صرف صورت اور ذات پر بھی آوازہ کسا جاتا ہے۔

تشنیع یہ لفظ طعنے کے ساتھ مستعمل ہے مگر تشنیع کے معنی اور اس کا مفہوم طعنہ سے جدا ہے، تشنیع کے معنے اہل لغت صرف زشت گفتن کے لکھتے ہیں، مگر ہماری زبان میں جس طرح یہ لفظ رائج ہے اُس کا مفہوم ہے کہ کسی کی برائیاں اس حد تک بیان کرنا کہ وہ الفاظ دائرہ تہذیب سے خارج ہو جائیں، چنانچہ سعدی نے ایک حکایت میں بڈھے کے ان الفاظ کو شنعت سے تعبیر کیا ہے کہتے ہیں کہ:-

بدوستاں گلہ آغاز کرد و صحبت ساخت　　　که خان و ماں ایں پاک دیدہ پاک برُفت

پاک دیدہ کے معنے بیشرم بے باک کے ہیں اسی غرض سے شیخ نے دوسرے شعر میں کہا ہے کہ

پس از طلاق و شنعت گناہ دختر چیست　　　ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی سُفت

نظامی خاقانی متنبی کے وہ تینوں شعر بھی جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں اگر اپنے صحیح معنے میں لئے جائیں اور ولد الزنا یا اولاد الزنا کو برتی کیڑوں کے معنے میں نہ رکھا جائے تو وہ اسی تحت میں داخل ہو جائیں گے۔ الحاصل تشنیع سے متخاصمین کی وہ گفتگو مراد ہوگی جو دائرہ تہذیب و ادب سے خارج ہو جائے، میرزا مظہر جانجاناں کا یہ شعر اسی حد میں رکھا جائیگا۔

آبرو کی آنکھ میں ایک گانٹھ ہے　　　آبرو سب شاعروں کی ...... ہے

آبرو کا جواب بھی انہیں حدود میں ہے۔

کیا کروں حق کے کئے کو کور میری چشم ہے　　　آبرو جگ میں رہی تو جانجاناں ...... ہے

نواب مرزا شوق کی مثنوی زہر عشق میں اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں مثلاً:-

عطر خریدتے وقت کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کو یاد کیجئے

میں بھی دیکھوں کہ کون ہے وہ چھنال کر دیا میرے لال کا یہ حال

مگر اکثر تشنیع عورتوں کی زبان میں پائی جاتی ہے اسی واسطے جان صاحب کی انشا، رنگین کی ریختیاں، امانت کی اندر سبھا، صاحبقران کا کلام اس قسم کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے مثلاً

جانصاحب .... مرزا مقیم سیکڑوں آتے ہیں جوہری گوہر نے گھر کو جوہری بازار کر دیا

اس میں گوہر کے حالات و عادات پر تہذیب سے علٰحدہ ہو کر ایک سخت حملہ کیا گیا ہے۔

جانصاحب — میں بھی ہو جاؤں کیا اجی ننگی اس موئے بے حجاب کی مانند

〃 — اڑی چوٹی پہ اجی اپنے موئے کو وار دوں نوج در گور کرے مجھکو جو بہرام پسند

امانت — میں پری ہو کے فدا ایسے پہ کیوں جاں کروں اڑی چوٹی پہ موئے دلو کو قربان کروں

انشا — بن سرڈھیر ہوئی مجھے کیا چاہیے بھلا بوٹا سے قد پہ اس بڑی آنچل کی اوڑھنی

〃 — میں تو کچھ کھیلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں جو نہ سمجھوں کی زناخی جاں تمھاری بولیاں

〃 — کیا یہ چھچھڑ کھاتی کی باتیں آ کے ہمسے چھیڑیاں سیکڑوں تم سے یہاں رگڑا کیں ہیں اڑیاں

(باقی دارد)

عبدالباری آسی

کیا یہ کتابیں آپ کے کتب خانہ میں نہیں ہیں؟

انقلاب فرانس:۔ نہایت دلچسپ فرانسیسی ناول عمہ	اسرار نباتات:۔ فوائد نباتات کے سربستہ راز کا انکشاف عمہ	مشاطۂ سخن:۔ مشہور شعراء کی اصلاحوں کا مجموعہ عمر
سیلاب خون:۔ واقعات غدر کا قابل دید افسانہ عمہ	دیوان غالب:۔ مع شرح و مقدمہ از جناب آسی صاحب عہ	مکاتیب محسن الملک وقار الملک قیمت .... عمر
بزم خیال:۔ شعراء فارسی اردو کے مشہور لطائف عمر	علم الاخلاق:۔ مولوی سید کرامت حسین مرحوم کی بہترین تصنیف عہ	سیاحت زمین:۔ زمین میں بے مثل افسانہ قیمت عہ
اسرار بالشویزم:۔ نہایت دلچسپ فسانہ کی صورت میں عمر	نازنین مراکش:۔ دلچسپ تاریخی ناول قیمت ۸ر	اجتماع ضدین:۔ اصلاح معاشرت فسانہ کی صورت میں ۶ر
مشاہیر نسواں:۔ عبد السلام کے مشہور خواتین کے حالات عمر	اشاعت اسلام:۔ اسلام پر محسن الملک کا بہترین رسالہ ۶ر	نابینا علماء:۔ مولانا شروانی کی مشہور کتاب قیمت ۸ر
احرار اسلام:۔ مولانا ابو الکلام کا مشہور رسالہ ۵ر	افشاء نسواں:۔ عورتوں کے لئے مفید کتاب ۶ر	بیگمات بنگال ۶ر

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ میں سب سے بڑی دکان ہے

پردہ کا اثر تعلیم وصحت پر

ہندوستانی پردہ کے متعلق اکثر مضامین اخبارات میں شایع ہوا کرتے ہیں کچھ لوگ موافق ہیں کچھ مخالف مگر تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل مروجہ پردہ میں بہت نقائص ہیں اس کا احساس غالباً ہر فرد بشر کو ہے کہ موجودہ پردہ مانع تعلیم و مضر صحت ضرور ہے۔ اسمیں بہت زیادہ اصلاح کی ضرورت ہے جیسا کہ ہمارے تعلیمیافتہ ہندوستانی بھائی خود اس کے متعلق تجاویز کر سکتے ہیں اگر پردے کے اس سسٹم میں ترمیم کی گئی تو کچھ زمانہ گزرنے کے بعد ہندوستانیوں کی صحت پر جو اثر پڑیگا اُس کا اندازہ ہماری صحت کی اُسوقت جو حالت ہے اس سے کیا جا سکتا ہے اس وقت دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ ہے مگر ہندوستان اس سے مستثنیٰ ہے دیگر ممالک میں عورتیں زیادہ ہیں یہاں مردوں کی تعداد زیادہ ہے کیا اس کی یہ وجہ نہیں ہو سکتی کہ چونکہ یہاں کی عورتیں پردے کی وجہ سے ایک قفس میں بند رہتی ہیں صاف و تازہ ہوا کو ترستی ہیں سیر و تفریح ان کو نصیب نہیں ہوتی جو خاص روحانی غذا ہے اس کا اثر صحت پر بُرا پڑتا ہے قسم قسم کے مہلک و خطرناک امراض میں مبتلا ہو کر موت کا شکار ہوتی ہیں ماں کا اثر اولاد پر ہونا لازمی ہے اس لئے مردوں کی صحت بھی خراب رہتی ہے۔ دیگر ممالک کے باشندے ہندوستانیوں سے صحت وطاقت میں کہیں بڑھکر ہیں ہمیشہ نہایت چست و چالاک تندرست رہکر لطف زندگی اٹھاتے ہیں برخلاف اس کے ہندوستانیوں کو قریب قریب روز پیدائش سے کوئی نہ کوئی بیماری شروع ہو جاتی ہے اور ہمیشہ کسی نہ کسی مرض میں مبتلا ہی رہتے ہیں جس سے زندگی تلخ ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ بہ سبب جسمانی و دماغی قوتوں کے ہمیشہ اپنی کوششوں اور محنتوں میں کامیاب ہوتے ہیں برخلاف اس کے ہندوستانی جو کمزور جسم اور بیکار دماغ کے ہوتے ہیں ہر بات کو خارج از امکان تصور کرتے ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ہندوستانی بھائی کیوں اپنی صحت کو خراب کر کے آئندہ نسل کو کمزور کرنا پسند فرماتے ہیں اور غریب عورتوں کو ایسی سخت مصیبت میں گرفتار کر رکھا ہے۔ اکثر مجرموں کو سخت سے سخت جرائم کے ارتکاب میں حبس دوام کی سزا دیجاتی ہے وہ بھی صرف انھیں کی ذات تک رہتی ہے۔ مگر ہندوستان کے مردوں نے خدا جانے کس قصور پر اس بے بس ہستی کو ایسی سخت قید کی سزا دی ہے کہ پشتہا پشت تک بھگتنی پڑی اور یہ نہیں بھی معلوم کہ اس کی میعاد کب ختم ہوگی اگر ہماری زندگی کا مقصد صرف یہی ہے کہ ایک مکان میں مقید رہکر جسکو قید خانہ کہنا چاہئے صرف انتظام خانہ داری میں مصروف رہیں اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو کر دنیا کے لطف سے محروم رہیں تو ایسی زندگی پر لعنت ہے۔ اس ظلم سے ہم لوگوں کو نیست و نابود ہی کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ اسلام نے تو ایسے پردے کا ہرگز حکم نہیں دیا ہے پھر بڑے بڑے متشرع لوگ اس طریقہ کو کیوں جائز رکھتے ہیں۔ کیا وجہ ہے ہم لوگ بالکل بے حس سمجھے جاتے ہیں ہمیں ایک بے جان تصور کیا جاتا ہے ہمارے احساسات کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ کیا ہم کو اعلیٰ تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا ہم کو تندرستی کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا کی تمام خوشی و عیش کا دارومدار صرف صحت پر ہے یہ ایسی نعمت ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی اگر مردوں کو عورتوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جائے تو کبھی پسند نہ کریں گے۔ کیونکہ مرد اس زندگی کی ناقابل برداشت تکالیف کے متحمل نہیں ہو سکتے تو پھر صنف نازک نے جو ایک نازک چیز مانی گئی ہے کیا خطا کی جو ایسے مصائب اسکے حصہ میں رکھے گئے جسم کے نشو و نما اور تندرستی قائم رکھنے کے واسطے ورزش و تازہ ہوا کی اشد ضرورت ہے ممکن ہے ورزش گھر کے اندر کر لی جائے مگر عمدہ و صاف ہوا بجز کھلے میدانوں کے چہار دیواری کے اندر نصیب نہیں ہو سکتی صرف ورزش صحت کیواسطے کافی نہیں ہے یورپین عورتیں صبح و شام سیر و تفریح ضروریات میں شمار کرتی

ہیں اس سے انکی صحت نہایت اچھی رہتی ہے۔ خود ہندوستان کی بے پردہ عورتوں کی صحت اور ہماری صحت کا مقابلہ کیجئے باوجود ہزاروں روپیہ ڈاکٹروں کی نذر کرنے اور سیکڑوں روپیہ دواخانوں میں بھیجنے کے ہمکو بیماری سے فرصت نہیں رہتی۔ اول تو بے پردہ عورتوں کو بیماریاں کم ہوتی ہیں اور اگر کبھی مرض لاحق ہوگیا تو جلد تندرست ہوجاتی ہیں اگر یہ خیال ہو کہ پردہ ترک کرنے سے عورتوں میں آزادی پیدا ہوجائیگی جس سے چال چلن خراب ہونے کا احتمال ہے تو اس کا تدارک مذہبی تعلیم ہے عرب کے پردہ میں کیا خرابیاں ہیں وہاں صرف نقاب ہی کا تو پردہ ہے۔ برابر نماز جماعت میں عورتیں شریک ہوتی ہیں جب آپس میں کہیں ملنے جلنے کیواسطے جاتی ہیں تو پیادہ پا شہر کو بازاروں میں ہوکر گزرتی ہیں کیا مجال مرد و عورت میں سے کوئی ایک دوسرے کی طرف بدنیتی سے نگاہ کرے یہ صرف مذہبی تعلیم کا اثر ہے ہر شخص کے دل میں خوف خدا جاگزیں ہے احکام اسلام کی پابندی فرض سمجھی جاتی ہے۔ ایسے لغو حرکات کو باعث گناہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا ہندوستان میں یہ طریقہ نہیں رائج ہوسکتا اور بالفرض اگر کسی مرد کی بری نگاہ بھی پڑے تو اگر عورت کا دل پاکیزہ خیالات سے معمور ہے تو کوئی اس کی عصمت کو نقصان نہیں پہونچا سکتا بہرحال اب ہندوستانی بھائیوں کو ہماری حال زار پر رحم کی نظر کرنا چاہئے اور اس زندگی کو تباہ کرنے والے پردہ کو جلد مٹانے کی کوشش کرنا چاہئے ورنہ اس ملک کی حالت کبھی درست نہیں ہوسکتی۔ روز بروز جبکہ دیگر ممالک ہر قسم کی ترقیات کررہے ہیں ہندوستان میں تنزل آتا جائیگا وہاں سائنس دانوں، ڈاکٹروں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ قسم قسم کی ادویات ایجاد ہورہی ہیں یہاں انواع و اقسام کے امراض پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اموات بکثرت ہورہی ہیں۔ ایک بات ہو تو کہی جائے کس کس بات کا رونا رویا جائے بہت ایسے مصیبت زدہ خاندان ہیں جہاں بیچاری لاوارث پردہ نشین بیوائیں یتیم بچے جنکا کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے فاقہ پر بسر کررہے ہیں اپنی قسمت پر خون کے آنسو رو رہی ہیں ہزاروں مرد ایسے ہیں جو بدچلنی پر کمر باندھے ہوئے ہیں عیاشی ان کا شیوہ ہے بیویوں کو صدہا قسم کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے بیچاریاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مصیبت کے دن کاٹ رہی ہیں اپنی بکسی کا خیال کرکے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہیں دوسروں کی محتاجی انکا ذریعۂ بسر اوقات ہے۔ کوئی بمصداق اس مثل کے (اقیسرے فاقے مردار حلال) ناجائز پیشے اختیار کرنے پر مجبور ہوگئی ہے مگر علم و ہنر سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے کوئی ایسا ذریعۂ آمدنی نہیں پیدا کرسکتی ہیں جس سے باعزت رہکر زندگی بسر کرسکے

بعض خاندان ایسے ہیں جہاں صرف ایک مرد کمانے والا ہے اور آمدنی بھی نہایت قلیل مگر کھانے والی دس عورتیں ہیں ایسی حالت میں کیا وہ خرچ کرے کیا اولاد کو تعلیم دلوانے میں صرف کرے کیا شادی بیاہ کیواسطے پس انداز کرے بیچارے گھر کے گھر ایک مصیبت میں گرفتار ہیں افلاس کے ہاتھوں زندگی سے بیزار ہیں دنیا انکو دوزخ سے بدتر معلوم ہورہی ہے مگر کیا کریں مجبور ہیں (اگر پردے کی پابندیاں حائل نہ ہوتیں تو ہر شخص اپنی کفالت خود کرسکتا تھا اور بجائے پریشانیوں کے آسودہ حالی سے بسر ہوتی) کیا ان سختیوں کو کوئی روشن خیال شخص پسند کریگا میرے خیال میں ہرگز نہیں، اُن تعلیم یافتہ لوگوں کو شرم کرنا چاہئے جو یہ دیکھتے ہوئے کہ تمام دنیا اسوقت کیسی ترقی کررہی ہے اپنے اپنے ملک کی فلاح و بہبودی کے واسطے عورتیں اور مرد سب ملکر جان توڑ کوشش کررہے ہیں) اپنے ملک ہندوستان کی ردی حالت دیکھکر پرواہ نہیں کرتے پردہ کی مخالفت و تعلیم نسواں پر ہزاروں لکچر ہوتے ہیں لاکھوں مضامین چھپتے رہتے ہیں سیکڑوں عبرت خیز واقعات کے مشاہدے میں آتے ہیں مگر اس سے کچھ سبق نہیں حاصل کرتے اس دشمن پردے کے ایسے پابند ہیں کہ ملک و قوم کی ابتری کا خیال نہیں نہ عورتوں کو معقول تعلیم دلواتے ہیں نہ ان مظلوموں کی صحت کی پرواہ۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ عورتوں کو یورپ کی سی آزادی دیجائے پردہ نشین عورتیں بالکل بے نقاب ہوکر بے باکانہ آزاد پھریں تنہا فرانس کی سیر کو جائیں یا انگلینڈ تعلیم حاصل کرنے جائیں مگر جیسی آزادی ہم کو اسلام نے دی ہے اسکو ضرور مانگتے ہیں اپنے ملک کے زنانہ اسکولوں کالجوں میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں زنانہ لکچروں پارٹیوں میں آزادانہ شریک ہونے کی اجازت ہو صبح و شام تفریح کیواسطے کھلے میدانوں جنگلوں میں ساتھ برقع کے پہنے کے اپنے کسی گھر کے مرد خواہ معتبر ملازم یا خادمہ کے ہمراہ جانے کی اجازت پائیں۔ سال میں دو ایک مرتبہ بشرطیکہ استطاعت ہو کسی ایسے مقام پر جہاں کی آب و ہوا عمدہ ہو تفریحاً اور تبدیل آب و ہوا کے واسطے جانے پائیں اور وقت ضرورت ایسی ملازمت کرنا جسمیں زیادہ آزادی نہ ہو معیوب نہ سمجھا جائے مثلاً اسکولوں کالجوں

تاریخ محبت کا ایک گمشدہ ورق

(فسانہ)

جوزیفاین دغا باز جوزیفاین شہر میلاں میں اپنے قصر جمیل کے اندر بیٹھی ہوئی تھی، اور اس کا شوہر نپولین اپنی افواج قاہرہ کیساتھ اطالیہ کے ساتھ مصروف کارزار تھا اپنے وطن کا جھنڈا مقدس سرزمین پر نصب کرنے کے لئے تلا ہوا تھا دشمن پر ایک آخری کاری ضرب لگانے کی تدبیریں کر رہا تھا کہ صفحۂ ہستی پر اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہ جائے لیکن اس کی ملکہ اپنے قصر میں عیش و عشرت کے مزے لوٹ رہی تھی، شہر کے اشراف اور اعیان کے ساتھ تماشہ گاہوں تھیٹروں اور رقص و سرود کی پر لطف محفلوں کی زینت بنی ہوئی تھی۔ ہر شخص ملکہ کے قدموں پر ارادت و عقیدت کے پھول نثار کرنے کو اپنی انتہائی سعادت سمجھتا لیکن یہ تمام سامان عیش اور بزم ہائے رنگیں اس کو شاداں و مسرور رکھنے کے بجائے کچھ اور زیادہ حزیں ملول بناتیں۔ جوزیفائن اپنے کمرے سے واپس آتی لیکن اس خیال میں کہ اس کا دل قابو سے باہر ہوتا دماغ طرح طرح کے افکار و آلام کا نشیمن ہوتا کیونکہ جب وہ رقص و سرود کی محفلوں میں عشق و محبت کے جنون خیز نغمے سنتی تو اس کے جذبات محبت برانگیختہ ہو جاتے اس کے دل کی بجھی ہوئی آگ ایک بار پھر مشتعل ہو جاتی لیکن اسے کوئی ایسا شخص نہ ملتا جس کے سامنے وہ اپنا دل نکال کر رکھدیتی جس کے سامنے وہ اپنے گرم آنسوؤں کی بارش پیش کرتی اور جو اسے اپنی آغوش میں لیکر اس کے جلتے ہوئے سینے کی آگ بجھاتا۔ بلکہ اپنے تنگ کمرے میں متفکر اور پریشان ادھر سے اُدھر ٹہلا کرتی۔ اس کے تاریک گوشوں میں اُس بہادر انسان کو تلاش کیا کرتی جو اس کے نحیف و زار جسم کو اپنے پہلو میں جگہ دیکر اس کے عشق کی بھڑکتی ہوئی چنگاریوں کو بجھاتا...... لیکن نپولین دور تھا اس لئے اس کی جگہ ایک دوسرے فوجی نوجوان نے لیلی۔ اور اس کی امانت پر ایک دوسرے شخص نے قبضہ کر لیا۔ کیونکہ نپولین دور تھا اور دوسرے اہم مشاغل اسکو جوزیفاین کی طرف بے نیاز کئے ہوئے تھے۔

جوزیفاین نے اپنے محبوب شارل کو بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا۔ شارل خط پڑھتے ہی نہایت تیزی کے ساتھ قاصد کے ہمراہ ہولیا اور میلان پہونچکر جوزیفائن کے حضور میں حاضر ہو گیا عاشق و معشوق دونوں بیٹھ کر شراب و شباب کے مزے لینے لگے، جوزیفاین نے اپنے ہاتھ سے جام شراب بھر کر مخمور محبت شارل کو پیش کیا پھر خود اسی آتش سیال سے اپنے قلب سوزان کو تر کیا۔ جوزیفاین نے شراب ناب اور شراب محبت سے مخمور ہو کر اپنے محبوب کے گلے میں باہیں ڈال دیں حجابات کا پردہ اٹھ چکا تھا کہ شارل نے اس سے پوچھا "ملکہ کیا آپ میلاں میں خوش نہیں یہاں کی مخلوق تو آپ پر جان نثار کرنا اپنا فخر سمجھتی ہے۔ آپ کے ایک نظارہ پر باشندگان میلان دین و دل نچھاور کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں آپ کے ایک اشارۂ ابرو پر انکا ہر سر زدہ آپ کے قدموں پر جھکنے کے لئے تیار رہے۔ جوزیفاین نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر جواب دیا "نہیں پیارے شارل نہیں یہ مجھے دیکھنے کے لئے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کو آج ہی عطر حنا کی فرمائش بھیجئے

میرے دیدار کے لئے نہیں جمع ہوتے - یہ ملکہ جوزیفاین کے لئے نہیں بلکہ اپنے فاتح کی بیوی کی زیارت کے لئے مجتمع ہوتے ہیں. میری تکریم - میری قدر میری محبت صرف پیرس ہی میں ہوتی ہے - وہ پیرس جو کعبۂ عشاق ہے جو قبلۂ اہل دل ہے. جو زیارتگاہ حسن ہے وہاں میری اور صرف میری درگاہ جمال میں کشتگان محبت اپنی جراحتوں کا مرہم تلاش کرتے ہیں وہاں میری قربان گاہ حسن میں دلدادگان محبت اپنے دین و دل قربان کرتے ہیں. میرے ہی حضور میں عشاق سجدۂ نیاز ادا کرتے ہیں کتنے پجاری مجھے حسن کی دیوی سمجھ کر پرستش کرتے ہیں. یہاں ..... یہاں تو میں صرف نیپولین فاتح کی ملکہ ہوں. فاتح اعظم کی بیوی ہوں رہ گیا میری زیارت کے لئے لوگوں کا گلیوں اور راستوں میں جمع ہونا مجھے دیکھکر نعرہ ہائے مسرت بلند کرنا یہ سب بالکل اسی طرح ہے جیسے ایک کمزور و ناتوان انسان اپنے سے قوی تر اور صاحب اقتدار انسان کی خوشامد ہی میں اپنی نجات دیکھتا ہے - میں ان کے نزدیک ایک تخیلہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جس کے اندر یہ اپنے مظفر اور منصور بہادر کی شبیہ دیکھتے ہیں اس لئے یہ تکریم و تعظیم یہ اظہار مسرت و محبت در حقیقت میرا اکرام بحیثیت ایک عورت کے نہیں ہے، میری یہ ساری تعظیم و تکریم در اصل نپولین کی تعظیم و تکریم ہے جو اس صورت سے میری معرفت ادا کی جاتی ہے - اس لئے پیاری شارل میں اس سے بہت ہی زیادہ گھبرا گئی ہوں - اور کسی نہ کسی صورت میلاں کی اس زندگی سے نجات حاصل کرنی چاہتی ہوں، ایک دن میں کسی دعوت میں شریک تھی کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور مجھ سے نہایت پر لطف اور دلآویز باتیں کرنے لگا میں یہ محسوس کرتی تھی کہ میری آنکھیں جب کبھی اس سے دوچار ہوجاتی ہیں تو وہ تڑپ اٹھتا ہے. میرے ہاتھوں سے جب کبھی اس کا ہاتھ مس ہوتا ہے تو اسمیں رعشہ کی سی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے یکایک اس کے لہجے میں تغیر پیدا ہوگیا اس کی باتوں کا رخ بدل گیا عشق و محبت کی شیریں اور پر کیف گفتگو کے بجائے وہ اپنے فاتح اعظم کی تعریف و توصیف کرنے لگا اپنے فاتح جنرل کی شجاعت اور وطن پرستی کا ذکر اس نے چھیڑ دیا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یکایک میری آنکھوں میں اس نے کوئی خونخوار اور خوفناک شیر دیکھ لیا ہے جس سے ڈر کر وہ مجھے چھوڑ کر یکبارگی چلا گیا. لیکن میرا قلب اب تک اُس کی ان محبت آمیز باتوں کا پیاسا ہے - اسوقت شارل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُس کی لمبے لمبے سنہرے نرم بالوں سے کھیلتے ہوئے نہایت ہی پیار اور محبت کے نرم و شیریں لہجے میں جس سے آتش محبت اور بھڑک اٹھتی ہے، کہنا شروع کیا "میری پیاری ملکہ آپ ان معمولی باتوں کا خیال نکریں کیا آپ کا یہ رشک سرو قد آپکے یہ نرم نازک رخسار یہ سپید مرمریں سینہ - یہ بھرے بھرے بازو - یہ سحر آفریں آنکھیں بونا پارٹ کی تلوار سے کم نہیں. جنرل کی خونچکاں تیغ صرف ملکوں پر قبضہ کر سکتی ہے اور اس کا گوہر فشاں تبسم تو لوگوں کے دلوں کو مسخر کر سکتا ہے. تیغ براں خنجر ابرو کی روانی کو نہیں پہنچ سکتی - آتشیں گولے شہر و ملک کو جلا کر خاکستر کر سکتے ہیں. لیکن آپ کا برق تبسم خرمن دل کی سوختہ سامانی کا سبب ہے آپ کے حسن کی فتحیابی تلوار کی فتحیابی سے زیادہ تر ہے -

اس طرح شارل ۱۳ / جنوری سنہ ۱۸۱۳ء کی شام کو بیٹھا ہوا ملکہ جوزیفاین سے عشق و محبت کی باتیں کرکے اپنے اس قائد اعظم کے حق میں خیانت کا ثبوت دے رہا ہے جو میدان جنگ کی ہیبت ناک فضا میں کھڑا اپنے عزیز وطن کی طرف سے مدافعت کر رہا ہے اور اس مبارک راہ میں خون کی ندیاں بہا رہا تھا -

---

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر نہایت نفیس ہوتا ہے -

اسی رات جب نپولین بوناپارٹ اپنے آئندہ حملوں کے متعلق اسکیم تیار کر رہا تھا اس کے دل میں خیال گزرا کہ اس وقت جب میں میلان سے بہت قریب ہوکر سفر کر رہا ہوں اپنے اوقات میں سے دو گھنٹے بچاکر پوشیدہ طور پر میلان بھی ہوتا آؤں اور وہاں پہونچکر اپنی محبوب بیوی کی جبین ناز پر محبت بھرے لبوں سے مہر خلوص ثبت کردوں۔ نپولین محل کے دروازہ پر پہنچا شوق کی جلدی میں اتنا بھی صبر نہ ہوسکا کہ دروازہ کھلوائے اور پھر محل میں داخل ہو۔ سامنے ہی ایک غرفہ تھا جہاں سے روشنی چھن چھن کر آرہی تھی گویا اسے جلد تر آنے کی دعوت دے رہی تھی۔ جنرل دیوار پر چڑھا اس کے سہارے سے جنگلے پر پہنچا اور وہیں سے روشندان کی راہ سے کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہاں کا منظر دیکھ کر اس پر ایک بجلی سی گر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی محبوب ملکہ جسے وہ دل وجان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اسی کی فوج کے ایک سپاہی سے مصروف التفات ہے۔ نپولین اسوقت کثرت غضب سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ اپنی تلوار سے اس غدار اور دغا باز سپاہی کا سر تن سے جدا کردے لیکن پھر سنبھل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ تحمل وہ دانائی وتدبر جس کا اظہار بار ہا سخت سے سخت نازک وقتوں میں اس سے ہوچکا تھا پھر اس کے پاس لوٹ آیا اور اس کے غیظ وغضب پر غالب آکر اس فعل کے برے نتائج سے اُسے آگاہ کردیا۔ جب نپولین کو بالکل سکون ہوگیا اور اس کے گئے ہوئے حواس پلٹ آئے وہ شارل کے قریب گیا اور کہا او شارل کیا تیرے لئے میلان میں کوئی دوسری عورت نہ تھی جس سے تو اپنی ہوس پوری کرتا۔ کیا تیرے لئے صرف اسی جنرل کی ایک بیوی تھی جو اپنے ملک ووطن اور تجھ جیسے بزدل انسانوں کی مدافعت کرتا ہوا میدان کارزار میں مصروف پیکار رہتا ہے۔ شارل نے اپنے داہنے بائیں دیکھا اور جواب دینے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ نپولین نے ڈانٹ کر کہا "خاموش" اے خاین خاموش وہ سپاہی جسمیں کچھ بھی غیرت اور خودداری ہوتی ہے وہ عورتوں کے پاس بیٹھنے سے اسکو بہتر سمجھتا ہے کہ میدان حرب میں جاکر اپنے وطن کی راہ میں جو دشمنوں سے گھرا ہوا ہے جان دیدے۔ افسوس تونے اپنے نفس کو خود ذلیل کیا اچھا اب فوراً لشکر کے دفتر میں جاؤ اور اس کے چیف سکریٹری سے کہو کہ میں نے تجھے لشکر کا منشی بنایا۔ تیری خیانت کے لئے فی الحال اتنی سزا کافی ہے" تھوڑی دیر خاموش رہکر نپولین نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا "میں تیری سپاہیانہ شرافت سے امید رکھتا ہوں کہ تو اس واقعہ کو لوگوں تک پہنچانے سے باز رہیگا جس سے ایک جنرل کی شرافت عزت اور آبرو پر حرف آتا ہے۔ حالانکہ وہ شخص اپنی محنت اور مشقت کا تم سے کوئی صلہ نہیں طلب کرتا اس کا مقصد وطن عزیز اور اس کے باشندوں کی عزت وآبرو کی محافظت کرنا ہے یہی اسکی جانفشانیوں کا صلہ ہے اچھا اب جاؤ۔ مگر خبردار اسے بھولنا مت"

یہ وہ سزا تھی جو نپولین بوناپارٹ نے اس خاین اور دغا باز کے لئے تجویز کی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ وہ دنیا کی نظروں میں ذلیل اور رسوا ہونے کیلئے تیار نہیں تھا۔ شارل کے چلے جانے کے بعد نپولین ملول ومغموم ہوکر ایک کرسی پر پڑ رہا۔ تھوڑی دیر بعد جوزیفاین سے یوں مخاطب ہوا "جوزیفاین میں حیران ہوں کہ اسوقت تجھ سے کیا باتیں کروں مجھ میں اسوقت اپنے نفس سے بھی باتیں کرنے کی طاقت نہیں ہے"

افسوس ظالم تونے پہلے تو مجھے عزت کی سب سے بلند چوٹی پر جگہ دی اور جب میں اس کی بلندی پر مستقل آرزوں کے شیرین خواب دیکھنے لگا تو تونے

صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر مل سکتا ہے

یکایک مجھے وہاں سے تاریک ترین غار میں گرا دیا تو نے نا مجھی سے میرے ساتھ وہی کھیل کھیلا جو معصوم بچے کبوتر اور طوطوں کے ساتھ کھیلتے ہیں جب کہ قدرت ان معصوم جانوں کی موت و حیات کا مسئلہ ان بچوں کے ہاتھ میں دے دیتی ہے اور وہ اسے سختی سے اپنی مٹھی میں دبوچ کر اس کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتے ہیں انہیں اسکا احساس بھی نہیں ہوتا کہ یہ وہ نازک جانیں ہیں جنپر انکا یہ کھیل تکلیف اور درد کی ہزاروں بجلیاں گرا رہا ہے اور جو ہر سانس کو اپنی آخری سانس اس دنیا میں خیال کرتے ہیں۔" جوزیفاین نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی دونوں باہیں نپولین کی گردن میں حمایل کر کے اس سے قسمیں کھا کھا کر یہ کہے کہ میں تمھارے سوا کسی دوسرے سے محبت نہیں کرتی بلکہ دنیا میں صرف ایک ذات ہے جو میری پاک اور خالص محبت کا مرکز ہے۔ تمھارا اور صرف تمھارا خیال ہے کہ نپولین کے ان بڑھتے ہوئے ہاتھوں کو جھٹک دیا اور کہا:"

"جوزیفاین خدا کے لئے محبت کے ذکر سے باز رہو کیونکہ یہ لطیف کلمہ جو روحانی جذبات کی صحیح آواز اور زندگی کے مقدس خوابوں کی صحیح تعبیر ہے۔ جو بیک وقت روحانی اور جسمانی خواہشات کو تسلی دینے کی کوشش کرتا ہے تمھارے نقطۂ نظر سے صرف بہیمی جذبات کے پورا کرنے کا آلہ ہے تنے محبت کو حیوانیت کا وہ رتبہ دے رکھا ہے جس سے انسانیت اجتناب کرتی ہے تمھارے نزدیک محبت ایک حقیر اور معمولی سودا ہے جو بازاروں میں کوڑیوں کے مول مل جاتا ہے۔ حالانکہ یہی محبت نظام اجتماعی کی اساس ہے اس میں زندگی کی روح پھونکتی ہے۔ اُس کی تجلیات حسن و جمال کو دوبالا کرتی ہیں اور تمام لذتوں کا سرچشمہ ہیں۔ بالفاظ دیگر محبت انسان کی حقیقی راحت اور زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ کاش تم نے اس نعمت حیات کا شکر ادا کیا ہوتا۔ کاش تم نے قدرت کے اس احسان کی قدر کی ہوتی کہ اس نے تمھیں حسن و جمال عطا کر کے تمام عالم کے دل کا مالک مجازی بنایا ہے لیکن افسوس کہ شیطان نے تمھارے دل پر قابو پا رکھا ہے وہ کبھی کبھی تمھارے ضمیر کی حقیقی روح کو فنا کر دیتا ہے۔ تمھارے دل و دماغ کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے میں اُس عورت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو مردہ دل ضمیر فروش۔ عقل و خرد سے بیگانہ ہو۔ کیونکہ اسوقت عورت اور چڑیل میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مجھے اس شخص کے حال زار پر رحم آتا ہے جس کے پہلو میں ایسی عورت ہو کیونکہ اس حالت میں وہ دنیا کا سب سے بڑا بدبخت انسان ہے جسکی حیثیت بہایم سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں خوبصورت عورت صرف آنکھوں کو بھاتی ہے لیکن خوب سیرت اور خوش خلق عورت دلمیں گھر کر لیتی ہے وہ محض ایک ہیرا ہے مگر یہ پورا دفینہ"

نپولین نے اسوقت اپنے چاروں طرف ایک نظر کی اور تیزی کے ساتھ اٹھکر اُسی روشندان کی طرف چلا جہاں سے کچھ پہلے ابھی وہ کمرے میں داخل ہوا تھا جوزیفاین نے چاہا کہ اُسے روکے لیکن نپولین نے اس زور سے اُسے ڈھکیلا کہ وہ زمین پر غش کھا کر گر پڑی اور وہ یہ کہتا ہوا اچک کر روشندان پر ہو رہا پیچھے ہٹ او نابکار عورت پیچھے ہٹ مجھے تیری محبت سے زیادہ کشش رکھنے والی ایک دوسری محبت کھینچ رہی ہے تیرے ساتھ بیٹھکر راز و نیاز کی باتیں کرنے کے علاوہ دنیا میں کچھ اور فرائض ہیں جو مجھے سرفروشی کی دعوت دے رہے ہیں میں لڑائی کی آگ میں جلنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں وطن کی محبت میرا خمیر ہے۔ اُسے مجھ پر اعتماد ہے اور مجھے اسپر۔ میرے سامنے امیدیں اپنے خوشنما لباس میں جلوہ گر ہوتی ہیں اور مجھے کھینچکر بلند سے بلند مقام پر لیجاتی ہیں اور یہیں میرا مسکن ہے اور یہی میرا ملجا و ماویٰ

اعلیٰ درجے کے عطریات جعفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو سے خرید کیجئے

تاروں بھری رات

رنگِ شفق اُڑ گیا گلشنِ افلاک سے   گرنے لگے اشکِ تر دیدۂ نمناک سے

ایک نیا آسماں بننے لگا خاک سے لو

جلوے ہوئے بے نقاب تاروں بھری رات میں

کیں گہر افشانیاں جب فلکِ پیر نے   کھول دیں اپنی ٹین لف گرہ گیر نے

رات کو دن کر دیا حسن کی تنویر سے

جلوے ہوئے بے نقاب تاروں بھری رات میں

محفلِ انجم کی ہے چرخ کے اوپر بہار   اور چمکنے لگے جگنوؤں سے سبزہ زار

صحنِ چمن شعلہ بار، آسمان آتش نگار

جلوے ہوئے بے نقاب تاروں بھری رات میں

ٹھنڈی ہوا نے کچھ سوزشِ دل تر کی   بچھنے لگیں چادریں گلشنوں میں نور کی

آنے لگی کچھ جھلک جلوہ گہ طور کی لو

جلوے ہوئے بے نقاب تاروں بھری رات میں

سبزۂ خوابیدہ کو چھیڑتی آئی صبا   ہنسنے لگے پھول جب کلیوں نے کھولی قبا

ہر شجرِ گلستان وجد میں آنے لگا

جلوے ہوئے بے نقاب تاروں بھری رات میں

محمود اسرائیلی

قوانینِ حیات

جسکے پہلو میں ازل سے دلِ بیباک نہیں   اُسکی دلدادہ بدل فطرتِ چالاک نہیں

سرفروشی کے ہیں جسکے جگر میں جوہر   وہ عزیزِ نگہ دیدۂ افلاک نہیں

عشق کی راہ میں جو جوکھوں جان عزیز   ذی شعوروں کا یہ فتویٰ ہے کہ وہ باک نہیں

جو نہیں بادۂ سر جوش خودی سے سرشار   اپنی ہستی کا اُسے خاک بھی ادراک نہیں

کیف و مستی کی نہیں موجِ رواں جس رگ میں   وہ رگِ خارِ مغیلاں ہے رگِ تاک نہیں

ہمنے اس دامِ گہ دہر میں دیکھا ہے یہی   وہی آزاد ہے جو بستۂ فتراک نہیں

سخت کوشی کا نہیں جسکے لہو کو سودا

اس زبان کیش کی قسمت میں ہے افلاک نہیں

امین حزیں

غزل نظیر لودھیانوی

ہر روز ایک نیا رنگ آسمان کیلئے   یہ اہتمام ہیں اک جانِ ناتواں کیلئے

خریدِ سوزِ محبت دلِ تپاں کیلئے   یہی سبیل ہے تسکینِ جاوداں کیلئے

اُتار چاند کو کو داگ میں انا الحق کہہ   انہی رسوم سے رونق ہے دو دل کیلئے

نہ پوچھ عشق کی روداد ہم نشین مجھسے   کہ چار دن میں مزے عمرِ جاوداں کیلئے

وہ سنگدل بھی ہے بیداد گر بھی ہے لیکن   سکون محال ہے اسکے بغیر جاں کیلئے

بھنور میں ڈال کے کشتی کو توڑ کر لنگر   دعائیں کی ہیں بہت مرگِ ناگہاں کیلئے

ستم کا حد سے گزرنا ہے مایۂ تسکیں   رکھا چمن میں نہ گلچیں نے کچھ خزاں کیلئے

دمِ سحر لبِ جو، جامِ مے، ہوائے بہار   یہی بہشت ہے دلدادۂ مغاں کیلئے

انھیں نے دیکھئے کی اختیار شکلِ قفس   کئے تھے جمع جو خار و خس آشیاں کیلئے

غزل ہی کہئے شبِ غم جو تابِ نالہ نہیں

نظیر شغل کوئی چاہئے زباں کیلئے

غزل ہاشمی

نہفتہ ہیں مسرت ہائے دل ہر غم کے عنواں میں   کہ مضمر درد میں لذت ہے لذت درد پنہاں میں

تلطفِ عامِ ساقی ہے اسی اک بادہ و خم سے   مگر کیف جداگانہ ہے ہر اک جامِ عرفاں میں

بنا کر درد کی تصویر دل کو نا امیدی نے   بڑھا دیں اور بھی کچھ زینتیں حسرت کے ساماں میں

اگر ذوقِ تمنا ہے نگارستانِ علم باطن کا   تو آ کر دیکھ لے جامِ جہاں بین بزمِ رنداں میں

حریمِ ناز کے بھی پردہ ہائے در کو جنبش ہے   معاذ اللہ یہ شورش ہوائے شوقِ ارماں میں

یہیں اے ہاشمی تکمیل ہوگی درسِ فطرت کی   ملیگا رازِ ہستی کا سبق شہرِ خموشاں میں

کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا عطر خاص بہت مقبول ہے

جان اپنے کو اگر ذوق عبادت تجھ میں ہے

کیا سناتا ہے مجھے واعظ تو پیغام الست — میں ہوں وہ آہو جو اپنی مشک سے ہے آپ مست
خود ہوں قطرہ خود ہوں دریا خود ہوں طوفاں خود ہوں موج — کیا کوئی تہ کو مری پہنچے کہ بے پایاں ہوں میں
عشق ہوں میں حسن ہوں میں درد ہوں درماں ہوں میں — مختصر یہ ہے بنائے عالم امکاں ہوں میں
میری ہستی میں ہیں مضمر سوز و ساز کائنات — ایک ہی پردے میں پوشیدہ ہے راز کائنات
واعظا میں کیا کہوں تجھ سے عجب ناداں ہے تو — جس کو کرتے تھے ملک سجدہ وہی انساں ہے تو!

اے مرے کم عقل! دنیائے حقیقت تجھ میں ہے
جان اپنے کو اگر ذوق عبادت تجھ میں ہے

سید فضل احمد کریم

غزل عشرت

سکون قلب سے قاتل کو مرحبا کہئے — مزا تو جب ہے کہ یوں دل کو مرحبا کہئے
حیات بحر تموج میں جان ڈالی ہے — فریب خوردۂ ساحل کو مرحبا کہئے
کبھی تو اپنی محبت کی لاج رکھ لیجے — کبھی تو حوصلۂ دل کو مرحبا کہئے!
یہ ہمتیں ہیں کہ ہر گام ایک منزل ہے — قدم قدم پہ منازل کو مرحبا کہئے
امید و بیم نے دل میں نئی تڑپ بھر دی — کسی کے وعدۂ باطل کو مرحبا کہئے!
کسی سے حل نہ ہوا جو میں وہ معمہ ہوں — شکست عقدۂ مشکل کو مرحبا کہئے

یہ ظرف ہے کہ نہیں کچھ کمال کا دعوے
بوجہ عشرت کامل کو مرحبا کہئے تو

غزل کیف مرادآبادی

جلوۂ برق کو پوشیدہ سر طور نہ کر — تہمت ناز اٹھا حسن کو مستور نہ کر
وحشیوں کے لئے پابندی زنداں کیسی — اپنے دیوانوں کو اس درجہ بھی مجبور نہ کر
راز مقصد ہے تری کشمکش سوز دروں — طلب گرمی ہنگامۂ منصور نہ کر
نگہ شوق یہ وحشت کہیں بدنام نہ کرے — نگہ ناز کے افسانہ کو مشہور نہ کر
خلش غم کی لطافت نہ مٹا نالوں سے — قصۂ عشق کو روداد سر طور نہ کر

تیری محفل سے جو اٹھا تو کہاں جائے گا
کیف کو پاس بلایا ہے تو اب دور نہ کر

غزل صہبا زبیری

تجھ کے دامن میں ہے یا طور کی منزل میں ہے — طلعت حسن تماشا کونسی محفل میں ہے
تر ہوا ہی آنکھ عنوان غم جذبات کی — ہنسنے یہ مانا کہ اک طوفان حسرت دل میں ہے
بعد مدت خاک پروانہ سے اٹھا ہے غبار — دیکھنا بادل سا کیسا وسعت محفل میں ہے
انتہائے غم سے مایوسی مری جاتی رہی — کیوں دل درد آشنا اب تک اسی مشکل میں ہے
جلد آنا ہو تو آؤ ورنہ وداع ہوش ہے — اک روانی آج میری نبض مستقبل میں ہے
دل کا قصہ امتیاز صد جنون عشق کی — یہ نہیں وہ قیس جو افسانۂ محفل میں ہے

آہ یہ رنگ تغزل اور یہ سامان درد
کس طرح کا سوز اے صہبا تمہارے دل میں ہے

درد کاکوروی

کن مست نگاہوں نے — دیدی ہے یہ مدہوشی — جذبات مرے ہر دم — ہیں محو فنا کوشی
پیمانۂ دل بھر دے — مدہوش ہمیں کر دے — صدقے تری مستی کے — اے جلوۂ مدہوشی
مخمور تری آنکھیں — کچھ کہتی ہیں مستوں سے — ہے حجت مے نوشی — ساقی تری خاموشی
دنیائے محبت میں — کیا نور کا عالم ہے — جاں مست تجلی ہے — دل محو قدح نوشی
دیتی ہے سر محفل — تعلیم و فاہم کو — یہ آنکھوں ہی آنکھوں میں — ظالم کی جفا کوشی

اے درد زہے عالم — پوشیدہ حسیں کوئی
بے وجہ نہیں ہرگز — گلشن کی یہ گل پوشی

زنانہ کتب خانہ
شوکت آرا بیگم ۸ — اقبال دلہن ۱۲ — غیرت شاہ زمانہ
عورتوں کی رات ۸ — مرأۃ العروس ۹ — صبح زندگی ۱۲
شب زندگی مکمل ۱۲ — نور حیات زندگی ۱۲ — کا پتہ
نگار بک ایجنسی لکھنؤ

عمدہ عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

استفسارات

تعدادِ ازدواج

ڈاکٹر سید ارشاد علی صاحب نکہت ہاپوڑی - سہاگپور

کثرتِ ازدواج کا مسئلہ میری سمجھ میں نہیں آتا - اس کے سمجھنے کی کوشش میں نے مولویوں سے تو اس ڈر سے نہیں کی کہ وہ نہ سمجھا سکنے کی حالت میں "نیچریا" یا کافر کہکر مخلصی حاصل کریں گے ہاں البتہ غیر مولوی اصحاب کی مگر وہ بھی قلب میں کیفیت مطمئنہ پیدا نہ کر سکے - اب جناب کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، مگر یہاں بھی ڈرتے ڈرتے کہ کہیں اسکا نتیجہ بھی وہی نہ ہو جو میرے پہلے استفسار کا ہوا اور جس کے اخیر میں مجھی کو اس خیال سے خاموش ہونا پڑا کہ بعض اوقات خاموشی بھی بکلم بلیغ کے فرائض انجام دیجاتی ہے - ہاں اس سلسلہ میں میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں اور جس کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے وہ یہ کہ قرآن پاک کے ترجمے اسقدر مختلف ہیں کہ مجھ ایسے بدقسمت کے لئے جسنے عربی کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی یہ فیصلہ کرنا "دشوار بھی نہیں" کی حد تک پہنچ جاتا ہے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط اور اسی سے فرقہ بندی کا راز وابستہ معلوم ہوتا ہے بہرحال میرا تو یہ خیال ہے کہ جتنی باتیں اسلام میں خلاف عقل اور قابل اعتراض پیدا ہوئیں اس کے ذمہ دار صرف نااہل مترجم ہیں - اب میں اصل استفسار کی طرف رجوع ہوتا ہوں - فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث ورباع فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ (النساء ع ۱) یعنی نکاح کرو اُن عورتوں سے جو تم کو پسند آئیں دو تین چار تک اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ ان میں عدل و انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو - اس سے صاف ظاہر ہے کہ عدل و انصاف پر منحصر ہے چار تک سے نکاح ہونا اور عدل و انصاف کے متعلق اللہ کا یہ حکم ہے کہ "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم (النساء ع ۱۹) ہرگز تم اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں میں انصاف کر سکو، اگرچہ تم اس کی ہوس بھی کرو" اس لئے میری رائے ناقص میں قرآنی فیصلہ صرف ایک بیوی کی موافقت کرتا ہے

آپ مہربانی فرما کر حسب عادت آزادی سے گفتگو فرمائیں اور صرف کلام مجید کو سامنے رکھکر -

---

(نگار) اس مسئلہ پر اسقدر خامہ فرسائی کی گئی ہے کہ اس کا لطیف پہلو اب کاوش و سعی کے بعد بھی نگاہ کے سامنے نہیں آتا اس لئے یہ صرف آپکی خاطر ہے کہ میں اسپر گفتگو کرنے کیلئے آمادہ ہوتا ہوں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس کے تصور سے بھی غثیانی کیفیت پیدا ہوتی ہے - تعلیم اسلام پر منجملہ اور بہت سے اعتراضات کے ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس نے تعداد ازدواج کو جائز رکھا - اور اس کے جواب بھی اتنے دیئے گئے ہیں کہ دفتر کا دفتر ان سے مرتب ہو سکتا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ نہ معترضین نے حقیقت پر غور کیا اور نہ جواب دینے والوں نے اس کی طرف صحیح رہنمائی کی میں اس جگہ اس کی تفصیل نہ بیان کرونگا، کیونکہ اول تو آپ کا استفسار اس کا مقتضی نہیں دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر ایسا کروں بھی تو کوئی نتیجہ نہیں ہے تاہم اشارتاً اس قدر ضرور عرض کرونگا کہ شریعت اسلام میں تمام ان مسائل

کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو سے بہترین عرقیات خرید کیجئے

کی نسبت جن کے متعلق تمدن و معاشرت سے ہے ہمیشہ ضرورت کے لحاظ سے تغیر و تبدل کی اجازت دی گئی ہے اور ایسا ہونا چاہئے تھا کیونکہ زمانہ کے ساتھ ساتھ قانون معاشرت کا بدلنا ضروری ہے اور بانی اسلام کو ایک غیر مسلم بھی کم از کم استاد دانشمند تو ضرور جانتا ہوگا کہ وہ نظام تمدن کے اس اصول اور ہیئت اجتماعی کے اس اقتضاء سے واقف تھے، پھر چونکہ نکاح کا مسئلہ، قومی معاشرت کا حد درجہ ضروری و اہم مسئلہ ہے اسلئے ظاہر ہے کہ ہر ملک اور زمانہ کی خصوصیات تمدن کے ساتھ ساتھ اس کے احکام میں بھی تغیر ہونا ضروری ہے، لیکن اس نکتہ کی طرف اغیار کو کیوں توجہ ہوتی جبکہ خود ہمارے ہاں کے اکابر و اعاظم اس کو نظر انداز کر چکے ہیں۔ خیر، یہ ایک نہایت دردناک داستان ہے اپنی کم فہمیوں اور نا عاقبت اندیشیوں کی، کہاں تک میں کہونگا اور کب تک آپ سنیں گے۔ اسے کسی اور وقت پر ملتوی کیجئے اور فی الحال آپ اپنے استفسار کے متعلق میرا جواب سن لیجئے۔ آپ کا اعتراض یا اشتباہ یہ ہے کہ کلام مجید میں سورۂ نساء کی ایک آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تم عدل کر سکو تو چار تک شادیاں کر سکتے ہو اور دوسری جگہ اسی صورت میں یہ بھی لکھا ہے کہ تم عدل کسی طرح کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سے زائد شادی ممنوع ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔ سورۂ نساء کی وہ آیت جس میں چار شادیاں تک کرنے کی اجازت دی گئی ہے یہ ہے:۔

"وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث ورباع، فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذالک ادنیٰ الا تعولوا۔ یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہے کہ یتیموں کے باب میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تمہیں اچھی معلوم ہوں ان میں سے دو تین چار تک شادی کر سکتے ہو، لیکن تمہیں خوف ہے کہ تم ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی شادی کرنی چاہئے ...."

یہاں سب سے پہلے غور طلب امر یہ ہے کہ ایک سے زاید نکاح کرنے کی اجازت دیتے ہوئے پہلے یتیموں کا ذکر کیوں کیا گیا ہے اور نکاح سے انکا کیا تعلق ہے۔ یہ امر متفق علیہ ہے کہ سورۂ نساء جنگ احد کے بعد نازل ہوئی تھی اور اس لڑائی سے مسلمانوں کی معاشرت پر جو اثر پڑا تھا اس کے متعلق بعض ہدایات اس میں کی گئی ہیں جن میں ایک مسئلہ نکاح بھی تھا۔

چونکہ جنگ احد میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے تھے اور آیندہ جنگوں میں بھی ان کی جانیں ضایع ہونے کا احتمال تھا اس لئے یہ سوال قدرتاً پیدا ہونا چاہئے تھا کہ یتیموں اور بیواؤں کا کیا انتظام کیا جائے۔ وہ بیوہ عورتیں جن کے کوئی اولاد نہ تھی ان کے متعلق تو نکاح ثانی کا دروازہ آسانی کے ساتھ کھلا ہوا تھا اسی طرح وہ یتیم بچے جن کی مائیں نہ تھیں پرورش کیلئے لوگوں میں تقسیم ہو سکتے تھے لیکن مشکل تھی ان بیوہ عورتوں کی جو اپنے ساتھ بچے بھی رکھتی تھیں کیونکہ حسبتہً للہ بغیر کسی غرض کے صاحب اولاد عورتوں کی کفالت آسان نہ تھی۔ اس کے لئے خدائے کریم نے ہدایت فرمائی کہ اگر یوں تم یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کر سکتے ہو تو ان کی ماؤں سے دو تین چار تک نکاح کر سکتے ہو۔ اس ہدایت سے یہ مقصود تھا کہ جب لوگ یتیم بچوں کی ماؤں کے ساتھ شادی کریں گے تو قدرتاً انکی اولاد سے بھی دلچسپی پیدا ہو جائے گی اور ان سب کی پرورش ان پر اخلاقی و معاشرتی حیثیت سے فرض ہو جائیگی، لیکن اس کے ساتھ عدل

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے شمامۃ العنبر کی خوشبو استعمال ہی سے معلوم ہو سکتی ہے

و انصاف کی بھی شرط لگادی کہ اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھاکر لوگ محض ہوسرانی اپنا شعار نہ بنالیں اور پھر اصل مقصود (یعنی یتامیٰ کے ساتھ دلسوزی و ہمدردی) فوت ہوجائے

مسلم کی ایک روایت کے مطابق اس آیت کا مطلب یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم ڈرتے ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرکے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرسکو گے تو اور عورتوں سے چار تک نکاح کرسکتے ہو۔ لیکن یہ مفہوم درست نہیں کیونکہ اول تو یہ معنے لینے میں بہت سے محذوفات تسلیم کرنے پڑتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جو مقصود ہدایت کا ہے وہ پورا نہیں ہوتا کیونکہ اور عورتوں سے نکاح کی اجازت دینے میں یتیموں کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے اور پھر اس صورت میں تین تین چار چار نکاح کرنے کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے اور اس کی اجازت بالکل بے محل سی بات ہے۔

آپ نے ایک دوسری آیت کا بھی حوالہ دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عدل ممکن نہیں اور اس لئے ایک سے زاید نکاح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ آپ نے پوری آیت پر غور نہیں کیا ورنہ مطلب واضح ہوجاتا۔ پوری آیت یہ ہے :-

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروہا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفوراً رحیما۔ یعنی اگر تم چاہو بھی تو عورتوں کے باب میں عدل نہیں کرسکتے، پس ان سے بے تعلق نہ ہوجاؤ اور نہ انھیں چھوڑ بیٹھو۔

اس کا تعلق بھی پہلی آیت سے ہے جس میں عدل کی شرط کے ساتھ چار نکاح تک جائز قرار دئے گئے ہیں جب پہلی آیت میں عدل کی شرط تعدد ازدواج کے لئے قرار پائی تو یہ سوال پیدا ہوا کہ صحیح معنے میں عدل کیسے ہوسکتا ہے جب کہ قلب انسانی محبت کے معاملہ میں مجبور ہے اور وہ اس کا برابر تجزیہ نہیں کرسکتا۔ اس سوال کا جواب دوسری آیت سے دیا گیا اور بتایا گیا کہ عدل کا جو مفہوم تم نے قرار دیا ہے وہ بیشک ناممکن العمل ہے، لیکن عدل سے مراد صرف یہ ہے کہ تم اپنی بیویوں کے حقوق برابر ادا کرو، اور ان سے ایسا سلوک کرو جس سے یہ نہ معلوم ہو کہ تم نے انھیں چھوڑ دیا ہے یا بالکل نفرت کرنے لگے ہو۔

نتیجہ یہ نکلا کہ سورۂ نساء میں جن عورتوں کے ساتھ چار نکاح تک کی اجازت دی گئی تھی، وہ صاحب اولاد بیوہ عورتیں تھیں جن کے شوہر جنگ احد میں مارے گئے تھے تاکہ یتیموں کی پرورش ہوجائے اور باہم عدل کی شرط صرف اس حد تک تھی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور محبت سے مجبور ہوکر ایک کو دوسرے پر اس حد تک ترجیح نہ دیجائے کہ کسی سے قطع کی نوبت آجائے۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں نکاح بھی منجملہ دیگر معاملات معاشرت کے ہے اور اس میں وقت و ملک کے لحاظ سے تغیر ہونا چاہئے۔ چونکہ اس وقت خاص سبب کی بناپر تعدد ازدواج کی ضرورت لاحق ہوگئی تھی اس لئے اجازت دی گئی اور اب بھی جب کوئی اسی قسم کی صورت پیدا ہو کہ تعدد ازدواج معاشرت و تمدن کے مصالح کو پورا کرنے والا ہو تو اس کی اجازت اس فرد کے لئے ہوسکتی ہے جس کے ذریعہ سے یہ ضرورت پوری ہوسکے۔ یوں بلاضرورت بیکار محض ہوسرانی کی بناپر ایک شخص کا ایک سے زیادہ شادی کرنا ہرگز درست نہیں ہوسکتا علی الخصوص اُس وقت جبکہ موجودہ حالت کو

بڑھیا عطر صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

دیکھتے ہوئے ہمارے لئے ایک بیوی کے حقوق ادا کرنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔

حافظ اور ابن یمین

(جناب بدر الحسن صاحب کورلا)

مئی کے رسالہ میں جو مضمون حافظ اور ابن یمین کے متعلق شایع ہوا ہے، وہ مجھے بڑی حد تک محل نظر معلوم ہوتا ہے۔ مضمون نگار نے معلوم ہوتا ہے قصداً بربنائے عناد حافظ کی شاعری کو ذلیل کرنے کے لئے یہ مضمون لکھا ہے جسمیں اسے کامیابی نہیں ہوئی۔

حافظ کے خراسان جانے کے متعلق جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ بھی درست نہیں ہے۔ دیوان حافظ کے دیباچہ میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے علاوہ اس کے اگر ایسا ہو بھی تو یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ حافظ کا اکثر کلام ابن یمین کے کلام سے ماخوذ ہے اسی کے ساتھ گفتگو اسپر بھی ہو سکتی ہے کہ واقعی مضمون نگار کو ابن یمین کا دیوان ملا یا نہیں۔ بہر حال اس باب میں مجھے آپ کی ذاتی رائے معلوم کرنے کا اشتیاق ہے اگر حرج نہ ہو تو مطلع فرمائیے۔

(نگار) آپکے استفسار کا خلاصہ یہ ہے کہ حافظ نے ابن یمین کے کلام سے فایدہ اٹھایا یا نہیں اور کیا ابن یمین کا دیوان واقعی دستیاب ہو گیا ہے۔ جناب آرگس نے جسوقت مضمون لکھ کر میرے پاس بھیجا میں نے بھی سب سے پہلے یہی سوال کیا کہ دیوان ابن یمین کی دستیابی کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے، جس کے جواب میں اُنھوں نے مجھے دیوان دکھایا اور اس کو دیکھنے کے بعد میں اس امر پر ضرور ان سے متفق ہو گیا کہ یہ واقعی ابن یمین کا دیوان ہے۔

اب رہا یہ امر کہ حافظ نے ابن یمین کا تتبع کیا یا نہیں اور حافظ کی شاعری پر کس حد تک ان کے کلام کا اثر ہوا، بہت غور و تامل کا محتاج ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ آرگس نے اس عبارت کے نقل کرنے میں جس سے حافظ کا خراسان جانا ثابت کیا جاتا ہے ضرور غلطی ہوئی کیونکہ اصل عبارت یہ ہے "غزلہائے جہانگیرش با دنی مدت بحدود اقالیم خراسان و ترکستان و ہندوستان رسیدہ" اس سے حافظ کا خراسان جانا ظاہر نہیں ہوتا بلکہ ان کے کلام کا خراسان میں مشہور ہونا ثابت ہوتا ہے، لیکن اگر اس استدلال کو رد کر دیا جائے تو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حافظ ضرور خراسان گئے اور ابن یمین کے پاس رہے، کیونکہ اس باب میں خود ابن یمین کا یہ شعر نا قابل انکار شہادت ہے

چہ غم از طعنۂ اغیار ترا ابن یمیں		کہ چو حافظ بجہاں یادگاری داری

جناب آرگس نے اپنے مضمون میں صرف یہ امر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حافظ کا کلام تصوف ابن یمین کے کلام سے متاثر ہو کر

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر حنا کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہ ہو سکا

پیدا ہوا ہے اور اگر یہ صحیح ہو بھی تو اس سے حافظ کی شاعری کی کوئی توہین نہیں ہوتی کیونکہ اول تو حافظ کے ہاں ایسا کلام جس کو ابن یمینی رنگ کا کہا جائے، بہت کم ہے اور جس قدر ہے وہ قابل لحاظ نہیں کیونکہ میرے نزدیک دیوان حافظ کا وہی حصہ ناقابل اعتنا رہے جسے ناقابل تاویل رنگ تصوف میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس لئے اگر سچ پوچھئے تو جناب آرگس حافظ کی توہین کرنے کے بجائے اس کی حقیقی عظمت ہم پر ظاہر کر گئے ہیں۔

جناب آرگس نے مئی کے نگار میں اور اس سے پہلے کے مضمون میں جو ابن یمین ہی کی شاعری پر لکھا گیا ہے، ابن یمین کے بہت سے محاسن شاعری شمار کرائے ہیں اور ان کے متصوفانہ شاعری کی تعریف کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ حافظ کے ہاں جسقدر تصوف کا رنگ پایا جاتا ہے وہ سب ابن یمین کا ہے۔ لیکن میں اس کے ماننے کے لئے طیار نہیں کہ ابن یمین کا کلام واقعی اس حد تک سراہے جانے کے قابل ہے اور اگر حافظ نے کبھی ان کا تتبع کیا ہے تو کوئی بڑی عمدہ بات کی ہے۔

حافظ کی شاعری کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا کوئی خاص رنگ نہیں ہے میرے نزدیک ناروا جسارت ہے، کیونکہ اگر نگاہ تامل سے دیکھا جائے تو حافظ ہی ایک ایسا شاعر نظر آئے گا جس کا رنگ کلام چھپ نہیں سکتا اور ہزاروں میں علیحدہ پہچان لیا جاتا ہے پھر اسی کے ساتھ وہ شوخی رنگینی مستی و کیف، وہ رندی و سرخوشی جو کلام حافظ کی جان ہے، ابن یمین کے ہاں کہیں نہیں پائی جاتی اور اس کا کلام یکسر خشک، بے کیف اور سرسری ہے۔ ممکن ہے کہ حافظ کے ہاں بھی بعض غریب دلچسپ و قابل حذف اشعار ابن یمین کے رنگ کے نکل آئیں لیکن اب یہ انکشاف قابل تسکین نہیں ہے کہ حافظ کے ایسے اشعار ابن یمین کی صحبت کا نتیجہ تھے اور اس لئے حافظ کے اصلی شاعری ان کی وجہ سے داغدار نہیں ہوسکتی۔ میں نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ جناب آرگس نے قصداً بربنائے عناد حافظ کے خلاف مضمون لکھا کیونکہ اس عناد کی وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آتی جب کہ حافظ و ابن یمین میں سے کوئی اس وقت موجود نہیں ہے اور نہ جناب آرگس اپنے آپ کو حافظ کا ہمسر یا ہم پلہ شاعر جانتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کا مقصود صرف تحقیق حق ہو لیکن لب و لہجہ مناسب نہ ہو۔ مگر میں نے اس کو ضرور محسوس کیا ہے کہ جناب آرگس حافظ کی متصوفانہ شاعری کو ابن یمین کے کلام سے ماخوذ ثابت کرنے میں اس حد تک کامیاب نہیں ہوئے جس حد تک اُنھوں نے دعویٰ کیا ہے تاہم فاضل مضمون نگار کا شکریہ ہم پر واجب ہے کہ ان کے اس مضمون نے حافظ کی شاعری کے متعلق بحث و تحقیق کا جدید دروازہ کھول دیا اور ابن یمین کا وہ نایاب کلام جسکے وجود کا بھی علم لوگوں کو نہ تھا نگار کے ذریعہ سے بے نقاب ہوگیا۔

نرگس اور آنکھ

(جناب سید اشفاق حسین صاحب۔ کلکتہ)

مولانا شبلی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایران میں آنکھ کو نرگس سے تشبیہ دینے کا سبب یہ ہے کہ ترک بچے ان کے محبوب تھے اور

ہر قسم کا عطر صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگانا چاہئے

ان کی آنکھ گول اور چھوٹی ہوتی ہے، لیکن اب ہر شخص بلا لحاظ اس امر کے کہ نرگس کا پھول واقعی آنکھ کی طرح ہوتا ہے یا نہیں یا اُسے آنکھ سے تشبیہ دینی چاہئے یا نہیں آنکھ کو نرگس کہنے لگا، حالانکہ آنکھ کی خوبی اس کا بڑا اور لانبا ہونا ہے اور گل نرگس بر خلاف اس کے چھوٹا اور گول ہوتا ہے۔

مولانا کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ کو نرگس سے تشبیہ دینے کی ابتدا ایران ہی میں اس خاص وجہ سے ہوئی اور شاید کسی اور زبان میں جو فارسی شاعری سے متاثر نہیں ہوئی ہے، یہ تشبیہ نہیں پائی جاتی۔ براہ کرم مطلع فرمائیے کہ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے اور کیا عربی میں ایسے اشعار مل سکتے ہیں جنہیں آنکھ کو نرگس سے تشبیہ دی گئی ہو۔

(نگار) میں نہیں کہہ سکتا کہ ایران میں آنکھ کو نرگس سے تشبیہ دینے کی وجہ وہی ہے جو مولانا شبلی نے بیان کی ہے یا کوئی اور، لیکن یہ ضرور معلوم ہے کہ فارسی میں اُسوقت بھی جب رودکی کا کہیں وجود نہ تھا جب فارسی شاعری کا پتہ بھی نہ تھا آنکھ سے نرگس کو تشبیہ دیتے تھے، چنانچہ کسریٰ انوشیرواں کے متعلق علامۂ سیوطی لکھتے ہیں کہ وہ نرگس کا بڑا عاشق تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں اس محلس میں گفتگو کرتے حیا کرتا ہوں جہاں نرگس ہو کیونکہ چشم نگراں کے مشابہ اس سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی حقیقت ہے کہ آنکھ کو نرگس کہنا صرف شعرائے فارسی ہی کے ہاں رائج نہ تھا بلکہ عربی میں بھی کثرت سے اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اول تو مجھے اس میں کلام ہے کہ گل نرگس گول اور چھوٹا ہوتا ہے اور اس لئے وہ ترک بچوں کی آنکھ سے زیادہ مشابہ ہے جن کی آنکھیں خود ایسی ہوتی ہیں اور اگر اسے تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ ضروری نہیں کہ نرگس سے اسی آنکھ کو تشبیہ دیجاتی ہے جس کی ساخت بالکل ویسی ہی ہو کیونکہ تشبیہ کے لئے مشبہ اور مشبہ بہ میں مشارکت تامہ کی ضرورت نہیں ہے، صرف ادنیٰ وجہ شبہ بھی کافی ہوا کرتی ہے۔ اور میرے نزدیک وہ وجہ صرف اس کی نگرانی ہے۔ حسن المحاضرہ میں ایک مستقل باب مصر کے ریاحین وازہار کے متعلق بھی نظر آتا ہے اور اس میں جو اشعار اس عہد کے شعراء کے نقل کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شعرائے عرب نے کثرت سے آنکھ کے ذکر میں نرگس سے تشبیہ دی ہے۔

ابو نواس لکھتا ہے:-

لدی نرجس غض القطاف کانہ	اذا ما منحناہ العیون عیون
مخالفۃ فی شکلھن مصفرۃ	مکان سواد والبیاض جفون

ابن رومی فرماتے ہیں:-

ونرجس کالثغور مبتسم	لہ دموع المحدق الشاکی
ابکاہ قطر الندی واضحکہ	فھو مع القطر باکی

اسی طرح ابن المعتز، کشاجم، صنوبری، ابن مکسیہ اور ابوبکر بن حازم نے بھی اپنے اشعار میں نرگس کا ذکر کیا ہے اور سب نے آنکھوں سے اسے تشبیہ دی ہے۔

معلومات

بیسویں صدی کی کلیوپٹرا | ہنگری کے پایۂ تخت بوڈاپسٹ میں ایک عورت ہے جو اپنے حسن و جمال اور خوش ادائیوں کے لحاظ سے ممکن ہے کلیوپٹرا سے کم ہو، لیکن اپنی سحرکاریوں اور ستمرانیوں کے اعتبار سے غالباً کچھ زیادہ ہی نکلیگی، کیونکہ کلیوپٹرا کی قربانگاہ حسن کو اتنی قربانیاں نصیب نہیں ہوئیں، جتنی اس ماہ پرکالہ کو میسر آچکی ہیں۔ یوں تو ہر نوجوان شخص جس کی نگاہ اسپر پڑتی ہے بیک نگاہ فریفتہ ہوجاتا ہے، لیکن یہ صرف اسی شخص کی شیفتگی کو قبول کرتی ہے جو ان میں سب سے زیادہ بہتر نمونۂ حسن و شباب ہوتا ہے اور ٹھیک اسوقت جب کہ حسن کی نوازشیں اور اس کے الطاف مرد کو دیوانہ بنادیتے ہیں یہ اپنے محبوب شکار کے سامنے زہر آلود جام شراب پیش کرتی ہے اور یقین دلاتی ہے کہ میں خود بھی تیرے عشق میں جان دیدونگی وہ غریب جو حقیقتاً دیوانۂ جمال اور مسحور حُسن ہوتا ہے، جوش محبت میں زہر کے گھونٹ حلق سے اتار لیتا ہے اور یہ اپنے جام کو زمین پر پٹک کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور اسوقت تک کہ اُس کے محبوب یا عاشق کا دم نہیں نکل جاتا، نزع کی تمام تکالیف نہایت اطمینان سے دیکھا کرتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔ جب وہ چھ نوجوانوں کو زہر دیکر مار چکی ہے اور ساتویں کی باری آئی تو اس نے انکار کیا اور حکومت کو جاکر آگاہ کردیا سنا جاتا ہے کہ حکومت نے اس قتالہ کو گرفتار کرلیا ہے اور تحقیق واقعات ہو رہی ہے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ | فرانس کے کتب خانہ میں ۳۰ لاکھ سے زیادہ کتابیں پائی جاتی ہیں

ریشم کا کیڑا ۵۰ سے ۳۰ دن تک زندہ رہتا ہے۔

مکڑی بغیر غذا کے دس مہینے تک زندہ رہتی ہے۔

سب سے زیادہ قدیم نقشہ وہ تھا جسے چینیوں نے ۶۰۰ سال قبل ولادت مسیح طیار کیا تھا

ان مقامات کی آبادی جہاں عربی زبان بولی جاتی ہے ۷ کروڑ ہے

بڑھیا عطر صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

امریکہ میں ۶۰۰۰ مدرسے ایسے ہیں جہاں سینما کے ذریعے تعلیم دیجاتی ہے

نہر سویز کے افتتاح میں، جو جشن منایا گیا تھا اس میں ۱۶ ملین گنی صرف ہوئی تھی۔

فرانس کے مشہور قید خانہ باسٹل کی صرف بنیاد کی تعمیر ۲۲ سال میں ہوئی تھی۔

دنیا میں سب سے زیادہ ارزاں ڈاک کے ٹکٹ جاپان کے ہیں۔

آبشار وکٹوریا دنیا کی سب سے زیادہ حسین آبشار ہے

گدھ کی عمر جسقدر زیادہ ہو جاتی ہے اس کے حس اور قوت اتنی ہی تیز اور قوی ہوتی جاتی ہے

اس وقت دنیا کی سب سے بڑی گھڑی وہ ہے جو اٹلی میں طیار کرا کے بونس ایرس بھیجی گئی ہے اس کے گھنٹے کا وزن ایک ٹن

عورت کے متعلق بعض خیالات

آفتاب بحر او قیانوس کو خشک کر سکتا ہے، لیکن عورت کے آنسو خشک کرنا اس کے امکان میں نہیں

عالم کا سب سے زیادہ جمیل منظر جو نفس انسانی کو متاثر کرنے میں نظیر نہیں رکھتا، وہ منظر ہے جب کوئی حسین عورت حزین و ملول نظر آئے۔

عورت تبسم حیات ہے۔ عمران و مدنیت کی بنیاد ہے۔ ایک ایسا جوہر ہے جس کی قیمت کا اندازہ صرف عقلا کر سکتے ہیں۔

نگار مشین پریس لکھنؤ میں باہتمام وصل بلگرامی چھپا
اور دفتر نگار نظیر آباد لکھنؤ سے شایع ہوا

مولانا شرر مرحوم

- حیات انیس
- ایشیائی شاعری
- نورجہان بیگم
- ٹیپو سلطان
- حیدر علی سلطان

مولانا حالی مرحوم

- یادگار غالب
- حیات سعدی رح
- مقدمہ شعر و شاعری
- حیات جاوید
- دیوان حالی
- مسدس حالی
- مجموعہ نظم حالی
- بیوہ کی مناجات
- شکوۂ ہند

امیر مینائی مرحوم

- امیر اللغات (نامکمل)
- صنم خانۂ عشق
- مراۃ الغیب
- محامد خاتم النبیینؐ
- مینائے سخن
- مکاتیب امیر مینائی

جلال مرحوم لکھنو

- سرمایۂ زبان اردو
- مضمون ہائے دلکش
- نظم نگارین
- رسالۂ تذکیر و تانیث
- افادۂ تاریخ

- قواعد المنتخب

پنڈت رتن ناتھ سرشار

- فسانۂ آزاد ۴ جلد
- سیر کہسار
- خدائی فوجدار
- جام سرشار
- الف لیلیٰ بطرز ناول
- کامنی
- بچھڑی دلہن
- سوانح عمرو عیار

منشی سجاد حسین مرحوم

- احمق الذین
- حاجی بغلول
- پیاری دنیا
- کایا پلٹ
- میٹھی چھری
- طرحدار لونڈی
- طلسمی فانوس

منشی جوالا پرشاد

- مرزائی
- مار آستین
- بنگالی دلہن
- معشوقۂ فرنگ
- پرتاب
- روہنی

مولوی محمد حلیم انصاری

- تمدن اسلام
- فتح اندلس
- ابو مسلم خراسانی

- تاریخ عرب

پریم چند

- پریم بتیسی
- بازار حسن

شوق قدوائی مرحوم

- ترانۂ شوق
- قاسم و زہرہ
- نیرنگ جمال
- گنجینہ
- سیکفرن اور لوسی

خواجہ عبدالرؤف عشرت

- زبان دانی
- اصلاح زبان اردو
- قواعد میر
- اصول اردو
- جان اردو
- شاعری کی پہلی کتاب
- دوسری کتاب
- تیسری کتاب
- لغات اردو

منشی محمد احسن وحشی

- محبوس نغمت
- جام زہر

مولانا حکیم عبدالحی مرحوم

- یاد ایام
- تذکرہ گل رعنا

مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی

- سیرۃ الصدیق
- علمائے سلف

- تذکرۃ الشعراء (میر حسن)

منشی سید احمد مارہروی

- آثار اکبری
- حیات خسرو
- امرائے ہنود

مولوی عزیز مرزا مرحوم

- خیالات عزیز
- وکرم اروسی

مولینا حسرت موہانی

- شرح دیوان غالب
- مکمل دیوان حسرت

سید سجاد حیدر بی اے

- خیالستان
- ثالث بالخیر
- زہرا
- جلال الدین خوارزم شاہ

مسٹر ظفر عمر بی اے

- چوروں کا کلب
- نیلی چھتری
- بہرام کی گرفتاری
- مستقبل اسلام

مولوی عبدالماجد بی اے

- فلسفۂ جذبات
- مکالمات برکلے
- پیام امن
- تصوف اسلام
- فلسفیانہ مضامین
- زود پشیمان

مولوی سید سلیمان ندوی

- ارض القرآن
- سیرۃ عائشہؓ
- حیات امام مالک
- خلافت عثمانیہ اور اسلام
- خلافت اور ہندوستان

مولوی عبدالسلام ندوی

- اسوۂ صحابہ ۲ جلد
- سیرۃ عمر بن عبدالعزیز
- انقلاب الامم
- تاریخ الحرمین الشریفین
- فقرائے اسلام
- نصرت نسوانی
- شعر الہند ۲ جلد

مولوی عبدالباری ندوی

- مبادی علم انسانی
- برکلے کا فلسفہ

مولوی سعید انصاری

- سیر الصحابہ جلد اول
- سیر انصار ۲ جلد
- سیر الصحابیات

مولوی عبدالرزاق ندوی

- اسوۂ حسنہ
- کتاب الوسیلہ
- ترکی اور یورپ

منشی عبدالمجید سالک بی اے

- راہ و رسم منزلہا
- چمپا و دیگر افسانے
- چترا (ٹیگور)

یاس عظیم آبادی

- چراغ سخن
- نشتر یاس ۸ر

حکیم محمد علی خان مرحوم

- عبرت
- جعفر عباسہ
- اختر و حسینہ
- گورا
- دیول دیوی
- نیل کا سانپ
- حسن سرور

خواجہ عباد اللہ اختر

- صدیق اکبر ۱۲ر
- حضرت زید ۶ر
- مشاہیر اسلام
- بغداد
- دمشق
- دیوان حافظ مع شرح

پروفیسر فیروز الدین مراد

- تحفۂ سائنس
- بادل کے بچے
- خونابۂ عشق

پروفیسر نواب علی ایم اے

- معارج الدین
- تذکرۂ مصطفےٰ
- صحف سماوی
- شمع سخن ۱۰

سر سید مرحوم

- خطبات احمدیہ

مکمل مجموعہ لکچر

- اسباب بغاوت ہند ۶ر
- سیرت فریدیہ ۱۰
- خطوط سرسید
- تفسیر سرسید جلد اول
- " دوم
- " سوم
- " چہارم
- " ہفتم
- تبیین الکلام ۲ جلد
- احکام طعام
- الجن والجان
- اصحاب کہف
- ازالۃ الغین
- الدعاء والاستجابۃ
- النظر فی بعض مسائل

منشی محمد لطیف بی اے

- اکبر
- اورنگ زیب
- رنجیت سنگھ
- لارڈ کلائیو

مولوی محمد انشاء اللہ

- سیرۃ الرسول
- تاریخ آل عثمان
- حالات عراق و عرب و عمان
- حالات قسطنطنیہ
- تاریخ مراکش و مغرب الاقصیٰ

تاریخ اسلامی فارسی

- روضۃ الصفا
- مدارج النبوۃ
- معارج النبوۃ
- خزینۃ الاصفیا
- جامع التواریخ
- روضۃ الشہداء
- رشحات

تاریخ اسلامی اردو

- عجائب القصص
- تفریح الاذکیا
- مرآۃ الکونین
- قصص الانبیا
- فتوح الشام

لغات عربی

- صراح
- فقہ اللسان

لغات فارسی

- فرہنگ آنندراج
- مصطلحات الشعراء
- غیاث اللغات
- نفس اللغت
- برہان قاطع
- بہار عجم
- موید الفضلا
- فرہنگ جہانگیری

لغت اردو

- لغات کشوری
- کریم اللغات
- نور اللغات جلد اول مجلد
- " غیر مجلد
- " جلد دوم مجلد
- " غیر مجلد

مرثیہ اردو

- کلیات مراثی دبیر مکمل
- " جلد اول
- " جلد دوم
- مراثی میر انیس مکمل
- مراثی میر ضمیر
- میر مونس مکمل

عجائب و غرائب

- معلم السیاست
- معلم العجائب با تصویر
- عقل و شعور
- طلسم فرنگ
- عجائب المخلوقات با تصویر
- معلومات الآفاق با تصویر
- دبستان مذاہب
- مجمع الفنون

تذکرہ شعراء

- تذکرۂ حسینی ۱ار
- گلشن بیخار ۱۰
- سراپائے سخن

- سوانح نظیر اکبرآبادی
- سخن شعراء

کلیات و دواوین فارسی

- دیوان حافظ
- دیوان نعمت خان عالی
- دیوان بیدل ۱۰ر
- کلیات سعدی
- دیوان عرفی ۱۲ر
- قصائد عرفی ۸ر

کلیات و دواوین اردو

- دیوان میر حسن
- کلیات ظفر
- دیوان ناسخ
- کلیات مومن
- دیوان آتش ۱۰ر
- " میر
- " سودا
- " انشاء
- " اکبر آبادی
- " داغ
- گلزار داغ
- دیوان ذوق ۱۲ر

انگریزی ناولوں کے ترجمے

- روح لیلیٰ
- زینوفی
- فریب حسن
- پاداش عمل مکمل
- الہ دین ویسلے
- معرکۂ شرر و چکبست

نگار بک ایجنسی نظیرآباد لکھنؤ